حجۃ اللہ الکاملہ

امت مسلمہ کے خلاف روح الامینؑ کی عدالت میں

مقدمہ



حجۃ اللہ الکاملہ

پروفیسر ڈاکٹر حجۃ اللہ

حجۃ اللہ الکاملہ



امت مسلمہ کے خلاف

روح الامینؑ کی عدالت میں

پروفیسر ڈاکٹر حجۃ اللہ

نام کتاب ———— حجۃ اللہ الکاملہ

مصنف ———— پروفیسر ڈاکٹر حجۃ اللہ

طبع اول ———— 2009

تعداد اشاعت ———— 500

مطبع ———— قاضی سنز پرنٹرز، راولپنڈی

ہدیہ ———— -/150 روپے

سِّر خدا کہ زاہد و سالک بکس نہ گفت[+]

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(دیوان حافظؒ)

+ وہ رازِ خداوندی جو کبھی کسی زاہد یا سالک کی زبان پر نہ آیا
حیران ہوں کہ وہ راز ساقیءِ مے خانہ کو کیسے معلوم ہوا۔

انتساب

نوخیزانِ ملت کے نام

خصوصاً

- ڈاکٹر صاحبزادہ تسلیم الرسول
- صاحبزادہ کلیم الرسول
- صاحبزادہ نجیب الرسول
- صاحبزادہ مامون الرسول
- صاحبزادی آمنہ رسول
- صاحبزادہ عبداللہ رسول
- صاحبزادہ محمدؐ سمیر
- صاحبزادہ عثمان رسول

پیش لفظ

اپنے سفر نامہ حیات کا شائد ہی کوئی مرحلہ ایسا ہو جب سائنسی تحقیق و مطالعہ کے ساتھ ساتھ اس سوال نے پریشان نہ رکھا ہو کہ کسی نظریہ اور اُس کے عملی نتائج میں اس قدر بُعد بھی ہو سکتا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے درمیان نظر آتا ہے؟

فطری طور پر طبیعت اس عجوبے کے تجزیہ پر مائل رہی۔ یہ اسی کاوش کا حاصل ہے جو زیرِ نظر تمثیلچے میں قارئین کے خدمت میں پیش ہے۔

بحث کے بے شمار نکات میں تفصیلات حذف ہوگئی ہیں اور بظاہر مخاطب چونکہ روح الامینؑ ہیں لہذا اکثر مقامات پر پس منظر کے بیان یا وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اگر قارئین کرام کے زاویہ خیال میں ایک

جہت (dimension) کا اضافہ محسوس ہو تو میری محنت گویا بارآور سمجھی جائے گی۔

احقر العباد

پروفیسر ڈاکٹر حجۃ اللہ

ناردرن انسٹیچیوٹ آف میڈیکل سائنسز (NIMS)

ایبٹ آباد

یکم فروری 2009ء

ترتیب عنوانات

منظر

میدان عرفات میں
بین الملّی عدالت کبریٰ کا قیام

زیر صدارت

حضرت روح الامین (ملائکہ مقربین کے جلو میں)

حاضرین

اکابرین ملت اسلامیہ

کردار

مدعی: ایک نومسلم مسمی مجاہد رمزی

وکیل صفائی: مسمی ملا ظاہری

دخل در معقولات: ابلیس لعین

مقدمہ کی کاروائی کا آغاز

عدالت:

مسمی مجاہد رمزی اپنا دعویٰ پیش کرے۔

مجاہد رمزی:

اللہ تعالیٰ کے نام سے اپنی معروضات کا آغاز کرتا ہوں۔اس ذات باری کا شکر ہے جس نے تخلیق آدم کے ساتھ ہی اس کی ہدایت کا نظام وضع کر کے [1] اسے اسلام کے نام سے سرفراز فرمایا [2]۔ اولاد آدم نے اس نظام ہدایت کی مختلف ادوار میں جس طرح پذیرائی کی، آخری صحیفہ میں عبرت آموزی کے لیے اسے بیان فرما دیا۔

مکرر شکر بجا لاتا ہوں اس ذات اقدس کا کہ اس عدالت میں ایک فورم فراہم کیا تا کہ اس سلوک کا جائزہ لے سکیں جو ہادی مطلق کے آخری پیغام کے ساتھ روا رکھا

گیا۔

آج میں اس عدالت عظمیٰ میں اس امت کے خلاف جسے اس پیغام کا امین بنایا گیا خیانت کا دعویٰ دائر کرتا ہوں اور اپنے دعوے کے حق میں دلائل کے لیے اجازت کا خواست گار ہوں۔

عدالت:

مدعی نے امت مسلمہ پر سنگین الزام عائد کر دیا ہے۔ عدالت منتظر ہے کہ اسے ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس دلائل کیا ہیں۔

مجاہد رمزی:

شکریہ جناب والا! میری کوشش ہو گی کہ واقعاتی شہادت اور منطقی استدلال کے ساتھ اپنا نکتہء نظر واضح کروں۔

خالق کائنات نے حضرت آدمؑ کو زمین پر سکونت کا حکم دینے کے ساتھ راست روی کی جو ہدایت کی تھی اس میں یہ وعدہ بھی شامل تھا کہ تمہاری اولاد نے میری زمین پر جس طرح کی بود و باش اختیار کرنی ہے اس کی ہدایات میری طرف سے ملتی رہیں گی [3]۔ اگر وہ میری خوشنودی چاہتے ہیں تو ان ہدایات پر پوری طرح عمل پیرا ہونا ہوگا۔ اور اپنے دشمن شیطان کے بہکاوے سے بچنا ہوگا [4]۔

چنانچہ ہر زمانہ اور ہر آبادی میں رب کریم کا سندیسہ انسان تک پہنچتا رہا [5] جسے ہم سلسلہ ہدایت کہتے ہیں۔ جو صحائف آسمانی کی صورت اولاد آدم کے لیے جاری رکھا گیا۔ حتیٰ کہ جب انسان اپنی شعوری اور مدنی ارتقاء میں بلوغت کے بعد ایک سبک رفتار علمی اور تہذیبی پرواز کے لیے پر تول رہا تھا اسے آخری مکمل صحیفہء قرآنی کی خلعت عطا ہو گئی جس میں قیامت تک کے تمام حالات کے

مطابق انفرادی واجتماعی زندگی کے آداب اور جہد و کاوش کے اصول سمو دیے گئے تا کہ شعوری ارتقاء کی سب منازل میں انسان قدوسی راہنمائی میں بلندی کی طرف پرواز جاری رکھ سکے۔ پھر گزشتہ ادوار میں صحائف آسمانی کے ساتھ جو تحریف و تبدل روا رکھا گیا تھا اس کے پیش نظر قرآن مجید کی آیات بلکہ حروف تک حق تعالیٰ کی خصوصی حکمت سے کسی قسم کی تحریف سے محفوظ کر لیے گئے۔ [6]

اب چونکہ اس کے بعد آسمان سے اس سلسلے میں کچھ اترنے والا نہ تھا تو ذاتِ سمیع و خبیر کی طرف سے تکمیلِ دین اور اتمام حجت کا ایسا جامع بندوبست ہوا کہ پیغام آخریں کا مکمل متن ایک لافانی دستاویز کی صورت میں ہی بنی آدمؑ تک نہ پہنچا بلکہ یہ صحیفہء آسمانی انسانی صورت میں متشکل [7] ہو کے دنیا کے سامنے تقریباً ربع صدی تک اس دستاویز حقانی کی نظری اور عملی باریکیاں واضح کرتا رہا۔ یعنی قرآن مجید کی راہنمائی میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

ایسا معاشرہ قائم کر کے دکھا دیا جو آئین قرآنی کی ہر جزوی تفصیل کے عملی نفاذ کا آئینہ دار تھا۔ گویا انسانی دانش کی کوتاہیوں اور نارسائیوں کا مداوا کرنے کے لیے صاحب قرآنؐ نے بذاتِ شریف قرآن ناطق کی صورت ظہور فرمایا تا کہ فرمودات قرآن کے خدوخال میں آئندہ کے لیے بھی کسی ابہام یا چون و چرا کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس اہتمام کے نتیجے میں جو معاشرہ وجود میں آیا اور اس آئین پر مبنی جو ریاست قائم ہوئی اس کی تفصیلات تاریخ عالم کا روشن ترین باب ہے۔

لیکن رونا اس بات کا ہے کہ ان عظیم روایات اور روشن اقدار کی حفاظت اور ترویج میں سخت کوتاہی برتی گئی اور وہ گروہ انسانی جو امت مسلمہ کے نام سے اس مثالی نظام کا وارث ٹھہرا اس کی غفلت، کج روی اور تن آسانی سے انحطاط کا عمل جو سید المرسلین ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی جدائی کے بعد شروع ہوا تنزل کی طرف رواں ہوتا گیا حتیٰ

کہ آج مسلمان قوم دنیا کے سامنے یہ نقشہ پیش کر رہی ہے۔

i مادی و انسانی وسائل کی کثرت کے باوجود افلاس و پسماندگی کا نمونہ۔

ii آفاقی ضابطہ اخلاق کی حامل لیکن شخصی و ملی کردار میں ننگ آدمؑ۔

iii اقوام عالم میں استہزا اور تمسخر ٹارگٹ۔

iv چونکہ انسان کا کردار اس کے نظریات و معتقدات کا پرتو مانا جاتا ہے لہذا مسلم نصوص ایمانی پر ایک بڑا سا سوالیہ نشان۔

مذکورہ صورت حال کے لیے میں امت کے ان طبقات کو براہ راست ذمہ دار ٹھہراتا ہوں جو کسی حیثیت سے بھی اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں اور عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ اُن پر اپنے فرائض منصبی سے غفلت

اور اسلامی اقدار کو مسخ کر کے خلق خدا کو اوہامی و افسانوی بھول بھلیوں میں بھٹکانے کی فرد جرم عائد کی جائے کیونکہ مذکورہ بالا نقشہء احوال انہی گمراہیوں کا نتیجہ ہے۔

ملا ظاہری:

آبجیکشن یور آنر! مدعی نے جو الزام عائد کیا ہے بظاہر اُس کی زد علمائے امت پر پڑتی ہے جو سراسر بہتان ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ ترقی وتنزل کے ہر دور میں علمائے اسلام نے دینِ حق کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیا۔نہ ہی کبھی عوام کو دینی تقاضوں سے غافل رکھا۔حفاظ کرام نے قرآن مجید میں تحریف کی ہر مذموم کوشش ناکام بنادی چنانچہ آج اس وسیع وعریض زمین کے ہر گوشے میں قرآن کا واحد متفقہ نسخہ رائج ہے اور کسی کو زیر وزبر میں تغیر کی جرأت نہیں ہوسکتی۔اللہ وحدہٗ لاشریک کے مقدس نام کے ساتھ اس کے حبیب ﷺ کا اسم گرامی دنیا کے ہر گوشے

میں ہر وقت گونج رہا ہے۔ یخ بستہ سحر ہو یا آگ برساتی دوپہر مؤذن کی دعوت الی الصلوٰۃ میں کبھی کوتاہی نہیں ہوئی۔ کچھ گروہ صالحین ایسے بھی ہیں جو گھروں کے آرام تج کر دین متین کی دعوت کے لیے چہار دانگ عالم میں سرگرداں ہیں۔ چنانچہ ہر کوئی جانتا ہے کہ آج دنیا میں تیز ترین پھیلنے والا مذہب اسلام ہی ہے۔ ان حقائق کے مدنظر خیانت فی الدین کا الزام کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مجاہد رمزی:

سخن شناس نئی دلبرا! خطا این جا است[+]

مسئلہ یہ نہیں کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد کا پھیلاؤ کتنا ہے بلکہ یہ کہ جو مقام انہیں باری تعالیٰ نے کلام مجید میں عطا فرمایا تھا کیا وہ اس پر فائز ہیں؟ ذرا قرآن اٹھاؤ وہ تو کہتا ہے:

1 تم ہی غالب و برتر ہو (اور رہو گے) اگر تم مومن ہو[8]

+ میرے دوست مصیبت یہ ہے کہ تم بات سمجھ نہیں رہے

2 تم (ساری امتوں سے) بہتر امت ہو[9]

3 تم امت ''وسط'' ہو[10]

4 تمہیں شہدائے علی الناس کا کردار ادا کرنا ہے[11]

کیا آج امت مسلمہ ان خطابات عالیہ سے سرفراز ہے اگر نہیں تو دیکھنا پڑے گا کہ

''کس طرح کھو دیے اس نے مقامات بلند''

جس طرح ہر عمل اپنے نتیجے سے پرکھا جاتا ہے اس طرح بندگان خدا کا انفرادی یا اجتماعی کردار ان عقائد و ضوابط کو منعکس کرے گا جنہیں وہ اپناتے ہیں یا جن پر کاربند ہونے کے دعوے دار ہیں یوں دیکھا جائے تو اس وقت قوموں کی برادری کے درمیان امت مسلمہ ذلت کے جس گڑھے میں پڑی سسک رہی ہے کیا ان پستیوں تک لے جانے میں بظاہر اُن کا مذہب حصہ دار نہیں ہے۔ احوال امت کا بیان بڑا روح فرسا ہے لیکن منکرات و

مکروہات میں سے کوئی بھی ایسی ہے جس میں مسلمان غیر مسلم اقوام سے نمایاں طور پر آگے نہ ہوں۔ اگر جنسی افعال بد میں کچھ پیچھے رہ گئے ہیں تو معاشرتی دباؤ کا نتیجہ ہے یا پھر روائتی مشرقی اقدار آڑے آ رہی ہیں۔ لیکن دوسری طرف ایک پیش پا افتادہ مثال برصغیر ہندو پاک پر نظر کیجئے جہاں مسلمانوں نے قومی تشخص کے بہانے کلمہ طیبہ کا نعرہ لگا کر ایک الگ ملک دنیا کے نقشے پر ابھارا۔ اب دیکھ لیجئے کہ صرف ایک سو سالہ غلامی سے آزاد ہونے والی مسلم قوم نے اپنے ملک اور اس میں بسنے والی خلق خدا کا کیا حشر کر دیا۔ بمقابلہ ہزار سالہ غلامی کے بعد آزاد ہونے والی غیر مسلم قوم کے۔ عیاں را چہ بیاں۔ تو کیا کوئی غیر جانبدار مبصر یہ کہنے میں حق بجانب ہوگا کہ چونکہ دونوں ملکوں میں آباد قومیں نفسیاتی، معاشرتی، رواجی اور سماجی لحاظ سے یکساں ہیں لہذا پاکستان جیسی نعمت کے ساتھ جو کچھ ہوا یہ نتیجہ ہے اُس مذہب کے پیروکار ہونے کا جس

کے بارے میں دعویٰ ہے کہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو خالق کائنات نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا اور قیامت تک آنے والے تمام حالات میں کارآمد راہنما اصول متعین فرما دیے۔

ملا ظاہری:

مائی لارڈ! مدعی عدالت کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بدعقیدہ مسلمانوں کی حرص و ہوس۔ طلبِ جاہ ، فریب کاری وعیاری یا کرپشن میں امتیازی مقام سے تو انکار نہیں لیکن ان کرتوتوں کا تعلق اُن کے مذہب سے جوڑنا پرلے درجے کی خصومت بلکہ الحاد کی علامت ہے۔ اس سے موصوف کا اسلام کے خلاف کینہ ظاہر ہوتا ہے اور اس مقدمے کی کاروائی بدنیتی پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

عدالت:

فریقین کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ایک دوسرے پر کیچڑ

اچھالنے کی بجائے دلائل کے سہارے اپنا مؤقف واضح کریں۔

مجاہد رمزی:

شکریہ حضور والا! اصل میں میرا مدعا یہی تھا کہ امت یا افراد امت کے افعال کی ذمہ داری دین حق پر ڈالنا تعصب کی بدترین صورت ہے۔ پر کیا کیا جائے کہ آج کی دنیا میں یہ تاثر عام ہو گیا ہے کہ مسلمان اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی لحاظ سے جس ذلت میں پڑے ہیں اس میں دھکیلنے والا وہی ضابطہ حیات ہے جس پر کاربند ہونے کے دعوے دار یہ لوگ ہیں۔ اس تاثر کو کبھی چھپانے کی ضرورت تو کیوں ہوتی اس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ اب موروثی مسلمان جو

''کافر نتوانی شد نا چار مسلماں[+] شو''

+ کافر کہلانے کی ہمت نہیں رکھتے تو مجبوراً مسلمانی پر صبر کرو

کے ذیل میں آتے ہیں یہ احساس نہیں رکھتے کہ اس اتہام کی زد براہ راست شرع مبین پر پڑ رہی ہے۔ میں نے چونکہ دین اسلام علیٰ وجہ البصیرت اختیار کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس کی تعلیمات کی روشنی میں اس زمین پر مخلوق خدا کے لیے کیسا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے جیسا کہ شارع برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تقریباً چالیس سال تک قائم رکھ کر دنیا کو دکھا دیا تھا۔ لہذا اس صورت حال پر بڑے پیچ وتاب کھائے اور گہرے غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں نے پچھلی امتوں کی طرح اصولِ دین میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے اور آج کا مروجہ اسلام اُس دین سے بالکل مختلف ہے جو ''خیرِ امت''، ''امتِ وسط'' یا ''اعلون[+]'' کی میراث تھا۔

+ اعلیٰ یا برتر۔ یہ تینوں خطابات قرآن مجید میں امتِ مسلمہ کے لیے مخصوص ہیں۔ بحوالہ نمبر 10-8

عدالت:

کیا مدعی اس حقیقت کا احساس رکھتا ہے کہ صحیفہء قرآنی کی حفاظت کی ذمہ داری جناب باری تعالیٰ نے خود اُٹھا رکھی ہے اور کسی کو یہ جرائت نہیں ہوسکتی کہ اس میں تحریف کی جسارت کرے۔

مجاہد رمزی:

جناب عالی! یہ میرے ایمان کا حصہ ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ احادیث نبوی کا بیشتر ذخیرہ بھی تحریف لفظی کی دست برد سے کافی حد تک محفوظ ہے۔ اصل میں میرا مدعا یہ ہے کہ تصریفات وتأویلات کی دست درازیوں کا سلسلہ اس حد تک پھیلا ہوا ہے کہ عامۃ المسلمین کے اذہان وطبائع مطالبات قرآن اور اتباع سنت کے اسالیب سے نابلد ہوکر رہ گئے ہیں۔

اب کسی گروہِ انسانی کی روایات اور معتقدات ہی اس

کے طرزِ عمل کی قوائے محرکہ کا کام کرتے ہیں لہذا اس کا انفرادی یا اجتماعی کردار اس Value System کی عکاسی کرے گا جس کے وہ دعوے دار ہیں۔ مثلاً مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے گرد و پیش یا اعزہ و اقارب میں کچھ نظریات کی فرماں روائی پاتا ہے۔ چنانچہ معاشرے کی مروجہ اقدار ہی اس سانچے میں خوب و زشت کے زاویے متعین کرتی ہیں جن میں بچے کا ذہن ڈھل رہا ہوتا ہے۔ جس کی ساخت و پرداخت پر آئندہ زندگی میں اس کے کردار کا انحصار ہے۔ پس توجہ کا مرکز مسلم معاشرے خصوصاً سربرآوردہ حلقوں میں مروجہ مسلّمات ہونگی جو افراد کی تربیت یا تعمیر سیرت کی بنیاد فراہم کرتی ہیں وہی افراد جو مل کر ایک قوم کی تشکیل کرتے ہیں۔ تو کیا یہ مسلّمات اپنے ماخوذ یعنی قرآن و حدیث کی روح سے مطابقت رکھتی ہیں۔

میرا مؤقف یہ ہے کہ مسلم اقوام نے جو value

system صدیوں سے اپنا رکھا ہے اور اس طرح جو مسلّمات مسلم افراد کے ذہن میں راسخ ہوگئی ہیں وہ نصوص دین میں تحریف کی آئینہ دار ہیں۔ تصریف و تعدیل کا یہ عمل صدیوں پر پھیلا ہوا ہے جس کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہی ہو گیا تھا۔ مناسب ہے کہ ان چور دروازوں کی نشاندہی کی جائے جہاں سے ایک قدوسی نظام حیات کی بنیادوں پر نقب لگائی گئی۔ تحریف معنوی کے معاون اسباب یا آلات کار کا تجزیہ کیا جائے تو انہیں تین ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ہر باب کے ذیل میں وہ عوامل زیرِ بحث آئیں گے جو عمل تحریف میں نمایاں حصہ رکھتے ہیں:

باب اول: آئین شرعی کے محکمات سے تغافل اور متشابہات کی بلند آہنگی

باب دوئم: نظری و عملی میدان میں ترجیحات دین کی ترتیب معکوس

باب سوئم: اجتہاد پر قدغن۔ بالفاظ دیگر قرآن کی ابدیت پر اشتباہ خفی

باب اول

محکمات سے تغافل

اور

متشابہات کی بلند آہنگی

سب سے پہلے تو مجھے اجازت دی جائے کہ میں اپنے مقصد کی وضاحت کے لیے مصطلحہ قرآنی سے دو اصطلاحیں مستعار لے کران کی مدد سے اپنا مافی الضمیر بیان کرسکوں۔

اس طرح زیرِ بحث معاملے کی حد تک:

محکمات= ہدایات واحکام+ آئینی و اخلاقی امور جن کے متعلق قرآن و حدیث میں غیر مبہم صراحت موجود ہے۔

متشابہات= ایسے عقائد و اعمال جن کی تأویلات و تشریحات اپنے ادراک وتصورات یا سہولت کے مطابق کی جاسکیں۔

اس تناظر میں غور فرمایئے تو محکمات تو ہنگامہ زیست سے دور تعظیم کے طاق پرسجی نظر آتی ہیں اور مذہبی زندگی کی گہما گہمی متشابہات کی مرہون منت ہے۔البتہ اسلام کے بنیادی ارکان کی رسمی صورت فی نفسہٖ مقصود بالذات کے طور پر آج بھی محفوظ

ہے گو کہ تعمیر و تشکیل کردار سے ان کا تعلق کہیں محسوس نہیں ہوتا ۔یہی وجہ ہے کہ آج بے شمار مسلمان ارکان اسلام کی ظاہری پابندی کے باوجود انسانیت کے بنیادی خصائل سے عاری ہیں۔

اصل میں متشابہات کی فرمانروائی خلافت راشدہ کے اختتام پر ہی مسلط ہوگئی تھی جب عامۃ المسلمین کو ریاست کے امور سے بے دخل کر دیا گیا۔ کیونکہ بہبود انسانیت کا منزّل من اللہ پروگرام جو چار عناصر ہدایت پر مشتمل تھا ایک آئینی و ریاستی قوت نافذہ کا متقاضی ہوا۔

عناصر ہدایت (فرائض رسالت)

پہلے مجھے ان چاروں عناصر ہدایت کی وضاحت کرنے دیجئے۔ جدِ انبیاء حضرت خلیلؑ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق دعا میں جناب باری تعالیٰ سے جب بعثت ختم الرسل کی درخواست کی تھی تو ان فرائض کا بھی ذکر تھا جن کی بجا آوری سے مقصد

رسالت کا حصول مطلوب تھا۔[12]

بعد میں ان فرائض رسالت کو جناب خداوندی کی طرف سے تائید مزید حاصل ہوئی۔ ترتیب کے تھوڑے فرق کے ساتھ ان کا ذکر کم سے کم چار مرتبہ قرآن میں موجود ہے[13][14]۔ میں انہیں عناصر ہدایت کے نام سے بیان کروں گا۔

1 تلاوت آیات ربانی

2 تعلیم کتاب الٰہی

3 تعلیم حکمت و دانش

4 تزکیہ نفوس

خاتم النبیین ﷺ جس طرح ان فرائض رسالت سے عہدہ برآ ہوئے وہ تاریخ عالم کا روشن ترین باب ہے۔ اور اس بارے میں کچھ عرض کرنا سوء ادب ہوگا۔ لیکن حضور ﷺ کے وصال باللہ کے بعد ہدایت سماوی کے یہ عناصر امت کی وراثت میں آ گئے اور خلافت رسول کا بنیادی ایجنڈا

ٹھہرے۔ چنانچہ ریاست کی پوری مشینری اپنے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، انتظامی اور دفاعی اقتدار واختیارات کے ساتھ ان عناصر اربعہ کی ضامن ومحافظ ہوئی اور ساتھ ہی نسل آدم میں ان کے ابلاغ ونفاذ کی ذمہ دار بھی اور یہ کام خلافت راشدہ تک بطریق احسن جاری رہا۔

لیکن جب ریاستی ڈھانچے پر آمریت مسلط ہوگئی تو اس خلافتی ایجنڈے کی وراثت عامۃ المسلمین کو منتقل ہوگئی۔ اس صورت حال میں انسانی بہبود و ہدایت کا وہ مربوط پروگرام جو مذکورہ بالا عناصر اربعہ پر مشتمل تھا مرکز سے بیگانہ ہوا تو ان کے درمیان ربط ڈھیلا پڑ گیا۔شروع میں کچھ عرصے تک صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین نے ان میں سے ہر شعبے کا باہمی تعلق قائم رکھنے میں بہت جدو جہد کی۔ تاہم آہستہ آہستہ مختلف طبقات کی دلچسپیوں نے اپنا رنگ دکھایا تو یہ چاروں فرائضِ نبوت مختلف گروہوں کے درمیان جداگانہ میدان عمل کی صورت اختیار کر گئے حتیٰ کہ علوم ظاہری اور علوم باطنی الگ الگ مکاتیب فکر کا

موضوع بنے۔ پھر رفتہ رفتہ اس تقسیم میں رقابت کا عنصر شامل ہو گیا۔ صورت حال کی ان پیچیدگیوں سے ایک نئی فکر اور کسی حد تک اجنبی طرز عمل نمودار ہوا جس سے تصوف کے مقبول عام مکتب نے نمو پائی۔

اب ذرا ایک ایک کر کے اس نبوی اور خلافتی ایجنڈے کے عناصر اربعہ کو روبہ عمل لانے میں محکمات سے چشم پوشی و تغافل اور متشابہات کی ہمہ ہمی ملاحظہ فرمائیے۔

1۔ تلاوت آیات ربانی اور تعلیم کتاب

کار نبوت کا نقطہ آغاز یعنی تلاوت آیات الٰہی اس طنطنے سے ہوا کہ شیوخ عرب ساری شیخی بھول گئے۔ مقفٰی و مسجع جملے جو اپنی نغمگی کے باعث کانوں سے ہوتے ہوئے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جائیں۔ جو اپنے الفاظ و معانی کی جدت و تنوع سے صدیوں کے جمود کو پگھلاتے ہوئے بحر خیال میں طوفان اٹھا دیں۔ جس کے اثرات سے پورا جہانِ افکار زیر و

زبر ہوجائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حتیٰ کہ یہی مجموعہ آیات دربار رسالت سے بنی آدم کو خلعتِ فاخرہ کے طور پر وراثت میں عطا ہوا بصورتِ صحیفہ قرآنی۔

اب ان آیات کریمہ کی تلاوت میں جو مقصد پوشیدہ ہے اگر اس سے صرف نظر کرلیا جائے یا ان میں سے مطالب و معانی کے لحاظ سے کسی قسم کا ترجیحی انتخاب عمل میں لایا جائے تو یہ ان مجموعہ آیات یا قرآن حکیم میں تعدیل وتصریف کہلائے گا۔ میرا رونا یہی ہے کہ ایسا ہوا بھی تو علیٰ رؤس الاشہاد۔ [+]

وارثین قرآن نے تلاوت قرآن کو ایک فن کا درجہ دے دیا اور حصول ثواب کا ذریعہ بنالیا۔ اس حد تک تو خیر تھی لیکن اس کے احکامات سے بے رخی یا آیات الٰہی کو سمجھنے اور سمجھانے میں بے راہ روی کا قصہ بے حد دردناک ہے۔

مثال کے طور پر قرآن میں اوامر ونواہی سے متعلق بادی النظر میں دو پیرایہ اظہار ملتے ہیں۔

+ کھلے بندوں یا بالفاظ دیگر بابانگِ دہل

نمبر ایک: صیغہ امر کے استعمال سے براہ راست حکم [15] اور

نمبر دو: اپنے پسندیدہ بندوں کے عمل کا حوالہ دے کر اعمال

حسنہ کی ترغیب [16] ۔

''تعلیم کتاب'' جو فرائض نبوت میں شامل ہے، کے بارے میں اجماع ہے کہ تلاوت آیات الٰہیہ کے پیش منظر میں اس سے مراد اوامر ونواہی کی تعلیم و وضاحت اور احکام ربانی کی تبلیغ ہے۔ یہ احکامات اس قدر دوٹوک ہیں کہ اس میدان کے اندر متشابہات کی بھول بھلیوں میں پناہ ملنا مشکل ہے۔ لیکن یار لوگوں نے یہاں بھی نفس امارہ کو آسودگیوں سے محروم نہیں رکھا۔

سب سے پہلے تو اعمال صالحہ کا دائرہ ارکان اسلام تک محدود کر دیا۔ یعنی دائرہ اسلام میں داخلے کی شرائط قانونی طور پر پوری کرنے کے بعد اعمال صالحہ کا پیمانہ غیر متعلق ہو گیا۔ مسلم ذہن میں نیکی کا جو تصور راسخ کیا گیا ہے تو اس میں نماز،

روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور جہد و عمل کا شائبہ شاذ ہی ملے گا۔ رہا فریضہ جہاد تو وہ قتال کے ہم معنی ہو گیا جو خاص خاص حالات میں ہی روبہ عمل آ سکتا ہے۔ روزمرہ زندگی کے ہر قدم پر رضائے الٰہی یا اس سے محرومی کے بارے میں جو واضح خطوط کتاب الٰہی میں کھینچ دیئے گئے ہیں وہ مدھم ہوتے ہوتے اب نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں چنانچہ مذہبی تبلیغ و تدریس کے دوران معاشرتی آداب و اخلاقیات کا موضوع پس منظر سے بھی غائب ہو گیا ہے۔

اب احکام قرآنی تو شرع مبین کی اساس ہیں یہ انفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی معاملات کا احاطہ کرتے ہیں اور خلافت ارضی کے قیام میں رہنما خطوط کا کام دیتے ہیں۔ اگر اولاد آدم اللہ کی زمین پر خلیفۃ اللہ کے مقام پر فائز ہے اور نظام ارضی کی ذمہ دار ہے تو اسے ہدائت نامہ خداوندی سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔ چونکہ ان جامع قوانین میں تحریف و تغیّر ممکن نہ تھا جبکہ ان پر عمل خلافت راشدہ کے تسلسل کا طالب

ہوا۔ چنانچہ تعبیرات وتأویلات کا ایسا چکر چلایا گیا کہ انفرادی کردار اور معاشرتی حسن کا وہ ماڈل جس کی تعمیر شرعی قوانین کے عملی اطلاق سے ہی ممکن تھی وہ یوں غائب ہوا کہ شریعت کا ہمہ گیر نظام حیات چند رسومات تک محدود ہو گیا۔

تعبیرات وتأویلات کا یہ سلسلہ بھی پیچ در پیچ ہے۔ میں صرف دو پہلوؤں کی نشاندہی کروں گا پہلے تحدید مطالب قرآن اور دوسرے کتمان احکام قرآن۔

(الف) تحدید مطالب قرآن

جب عبادت ہی تخلیق جن وانس کا مقصود ٹھہرا☆ تو اس کے مفہوم میں وہ تمام اعمال شامل ہو گئے جو خلافت ارضی سے عہدہ برآ ہونے کے لیے لازم ہوئے۔ اور جو ذاتی کردار و عمل سے آگے معاشرتی اور قومی امور کو حسب منشائے الٰہی چلانے میں ضروری ہوتے ہیں۔ عبادت کے اس مفہوم کو تسبیح و

☆ القرآن الذاریات 51 :56/ میں نے جن وانسان کو عبادت کے سوا کسی اور مقصد سے پیدا نہیں کیا

سجود کے رہبانی دائرے میں محدود کر دینا یقیناً تحریف معنوی میں شمار ہوگا۔ نتیجۃً عبادت کا وہ ارفع مقام جو بنی آدم کو ملائکہ پر فوقیت عطا کرتا ہے انسانی پہنچ سے اوپر رہ گیا۔

مجھے اجازت دیجئے کہ عبادت جسے وجہ تخلیقِ جن و اِنس کہا گیا، کا اصل مفہوم کلام الٰہی میں تلاش کرنے کی کوشش کروں کیونکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا مروجہ مفہوم کا اصل سے برائے نام تعلق ہی ہے۔

سب سے پہلے تو روح آدم روح اللہ کی ایک پھونک سے وجود میں آئی [17] چنانچہ اس کی genesis کا فطری تقاضہ یہ ہے کہ وہ اوصاف الٰہی سے متصف ہو۔ یہی بات سرکار دو عالم ﷺ نے یوں سمجھائی کہ انسان حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کے ساتھ پیدا کیا گیا [18]۔ یعنی ہمارے لئے لازم ہے کہ ہر حال میں اپنی فطرت میں پوشیدہ ان صفات کو بروئے کار لائیں جو خالق کائنات کی ...... شان کریمی، .... عفو و ترحم،

.......عدل و احسان،.........جود و سخا......اورعملِ مسلسل..... کا عکس ثابت ہوں۔ دنیاوی زندگی کے درپیش حالات میں معبود کی صفات کے عملی اظہار کا نام عبادت ہے۔

جن اعمال کو عبادت کا درجہ دے دیا گیا وہ عبادت کے درجے تک رسائی کے وسائل ہیں اور اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ عبادت ہی کے زمرے میں آتے ہیں اب مبلغین دین کا کام یہ تھا کہ مسلم معاشرے میں نشان راہ سجھانے کے ساتھ منزل کو عام آدمی کی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ افسوس کہ سارا زور بیان مقام عبادت تک رسائی کے طریقوں پر صرف ہوا حتیٰ کہ انہی کو منزل سمجھ لیا گیا۔ اور صفات ربانی کا عکس عبادت کے زمرے سے بالکل خارج ہو گیا۔ پس ہم منزل کے راستوں میں بھٹکتے رہ گئے اور غیر مسلم گروہ انسانی اپنے نامکمل اور ناقص طریقوں سے سہی ان میں سے کئی صفات کو اپنے اندر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی بنا پر انہوں نے ہمیں راستوں کی دھول بنا دیا۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام کے افراد میں

مذکورہ صفات ربانی میں سے کئی ایک کا ہیولہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً حق تعالیٰ کی صفات میں ایک یہ ہے کہ وہ کسی لمحے فارغ نہیں اور کائنات کے لامتناہی انصرام وتحفظ میں ہر آن مصروف ومتوجہ رہتا ہے۔(کل یوم ھو فی شان ☆) بعینہ اسی شان کی شبیہ ہمیں رسول اللہ ﷺ میں ملتی ہے۔اب ملا ظاہری بتا دیں کہ عبادت کا یہ پہلو کبھی پیشوایان اسلام کے اپنے زیرِ غور آیا کہ دوسروں کو ترغیب وتفہیم کا کوئی سامان کر سکیں۔ برعکس اس کے جانے کن عوامل کے زیرِ اثر اسی ایک صفت کو غیروں نے جب اپنی طرز زندگی کا حصہ بنایا تو پوری دنیا کو زیرِ نگیں کرلیا۔

جہاں تک اعمال صالحہ کا تعلق ہے ان کا بیان رب علیم وخبیر کی طرف سے آیات محکماۃ وبیّنت کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن ان کی تفہیم وتعبیر میں بھی متشابہات کا رنگ تلاش کرلیا

☆ القرآن۔الرحمٰن 29:55

گیا۔ اول تو اس کثیر الجہات معاملے کے صرف دو محدود پہلو اجاگر کیئے گئے اور انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا نام دے کر گویا منشائے ربانی کے تقاضے پورے کرنے کا مکمل پروگرام تیار ہو گیا۔ اس کا اطلاق بھی صرف نظری حد تک رہا۔ عملی طور پر حقوق اللہ کی ادائیگی ذریعہ نجات ٹھہری اور حقوق العباد کا درجہ محض زیبائشی ہی رہا۔ اگر یہی اعمال صالحہ کی تشریح ہے تو اس کا حوالہ فرد تک کیوں محدود رہ گیا اور معاشرتی ڈھانچا یا قومی و بین الاقوامی اموراس کے پس منظر سے غائب کیوں ہو گئے۔

میں اپنی بات کی وضاحت کے لئے معزز عدالت کی خصوصی توجہ کی استدعا کرتا ہوں۔ اور عدالت کے سامنے ایک سادہ سا سوال رکھتا ہوں وہ یہ کہ مخلوق کے نام آخری حتمی پیغام کے عمومی مخاطب مرد کیوں ہیں؟ حالانکہ حقوق و فرائض یا حصول درجات کے اعتبار سے مرد و عورت دونوں برابر ہیں اور یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ نسل انسانی کو حقوق و درجاتِ نسوانی سے اسلام ہی نے متعارف کروایا تھا۔ لیکن قرآن مجید کا

موضوع اگر انسان ہے تو خطاب اکثر و بیشتر جنس مذکر سے کیوں ہوا؟ چنانچہ ساری بشارتیں مرد کے لیے مخصوص کر دی گئیں! جواب صاف ہے کہ اس کرہ ارض پر اجتماعی معاملات کی زمام کار مرد کے ہاتھ میں دی گئی ہے اور نسوانی جنس کو مرد کے زیر انتظام رکھا گیا ہے[19]۔ تمدن خواہ کوئی صورت اختیار کر جائے عملی طور پر یہ فطری تقسیم باقی رہے گی۔ بالفاظ دیگر کاروبار حیات میں بناؤ بگاڑ کی ذمہ داری مرد پر ہے اسی لیے قرآن کا مخاطب بھی مرد ہی ہے۔ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو کیا اعمال صالحہ کا دائرہ مرد کے لیے بھی وہی ہوگا جو عورت کے لیے ہے؟ نہیں! بلکہ معاشرے یا پورے عالم انسانی کو نظام مصطفیٰ کے نمونے میں ڈھالنے کا کام چونکہ مرد کا ہے اور اس کے لیے شیطانی قوتوں کے بالمقابل جُہدِ مسلسل کی ضرورت ہے لہذا اس جہاد زندگانی میں جو اعمال ہتھیار کا کام دے سکتے ہیں وہ ہیں مرد کے صٰلحٰت۔ لیکن مروجہ مفہوم کے اعمال صالحہ جنہیں مرد و عورت مساوی طور پر اختیار کر کے

مساوی اکتساب درجات کر سکتے ہیں۔ مرد کو اضافی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ٹھہراتے ہیں چنانچہ حصول جنت کے لیے کسب ثواب کی سعی وتمنا کے جو اسیر ہوئے تو اصل ذمہ داریوں کو بھلا بیٹھے۔

یہی وجہ ہے کہ:

i اجتماعی نظام عدل،

ii سماجی ومعاشی مساوات،

iii طبقاتی تفریق کی نفی،

iv فلاح عوام کی فکر،

v بہبود خلائق کی سعی وترغیب،

vi منکرات کی بیخ کنی اور معروفات کی تشہیر وترویج

جیسی اقدار مسلم معاشرے میں فرائض کفایہ سے زیادہ کوئی مقام حاصل نہ کرسکیں۔ اس وقت بھی، جب قادر مطلق نے اپنی مخلوقات کے بیشتر حصے کا انتظامی اختیار امت مسلمہ کے

سپرد کر دیا تھا۔ میں اس ساری صورت حال کا ذمہ دار محکمٰت سے صرف نظر اور متشابہات میں استغراق کو ٹھہراتا ہوں۔ اور یہ رجحان کلام الٰہی میں تحریف معنوی کی جہات میں ایک نمایاں جہت کا درجہ رکھتا ہے۔

(ب) کتمان + احکام قرآنی

تعلیم کتاب کے لیے فرائض نبوی میں احکامات الٰہی کا نفاذ تو تھا ہی جس کا مکمل نقشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے وضاحت سے پیش فرما دیا لیکن بعد میں امت کا کام اس نظام کی حفاظت کرنا پہلی ترجیح ہونی چاہیے تھی۔ اس کے برعکس معلوم نہیں کن عوامل کے تحت تذاکر دینیہ سے ان کا حوالہ بھی نسیان کی نذر ہو گیا۔ احکم الحاکمین نے اپنے بندوں کیلئے کچھ اطوار و عادات حکماً مقرر فرما دیئے جن سے مفر کی کوئی گنجائش نہیں یہ اس قدر واضح ہیں کہ انہیں بحث و تمحیص کا موضوع نہیں بنایا جا سکتا لیکن مسلمانوں کے دینی اجتماعات میں ان کی طرف

+ کتمان = چھپانا یا ارادۃً کسی حقیقت کے ذکر سے پہلو تہی کرنا

کوئی اشارہ بھی نہ ہو یا محض بر سبیل تذکرہ ہی ان کے بارے میں کوئی بات کی جائے تو یہ بالواسطہ کتمانِ احکام میں آئے گا۔ اس اغماضِ منشائے دین کی دو مثالیں سامنے رکھیں:

نمبر 1

نماز جمعہ کے اجتماع میں پورے عالم اسلام میں گھوم جایئے ان اللہ یا مر [20] ......الخ ☆خطبہ جمعہ کا حصہ تو ضرور ہے لیکن ارب ہا نمازیوں میں سے کتنے ہوں گے جو "اس آرڈر آف دی ڈے" کا ادراک رکھتے ہوں عربی نہ سمجھنا ایک الگ بات ہے کبھی امام صاحب کو اپنی زبان میں یہ بتانے کا خیال آیا کہ آج جس کے حضور سجدہ ریز ہونے کیلئے تم آئے ہو وہ آپ کو کیا حکم دے رہا ہے۔ کچھ نہیں تو ہفتے میں ایک بار ذہن میں کوئی گھنٹی تو بجے۔ آپ اس کو ایک مختصر مگر تاکیدی حکم کا کتمان

☆ النحل (16 : 90) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ عدل اور احسان (عام ہو) اور اقرباء کے ساتھ مؤدت کا رشتہ قائم رہے۔ ساتھ ہی وہ (جل جلالہ) بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے (اور اس طرح) وہ تمہیں نصیحت کیا کرتا ہے تا کہ تم (ان احکامات) کو یاد رکھو۔

کہیں گے یا انگریزی میں play down کرنا۔

نمبر 2

اس صورت حال کی ایک اور واضح مثال معراج النبی ﷺ کی یادگاری تقریبات ہیں۔ عالم اسلام میں اس تاریخ ساز واقعہ کی نسبت سے مجالس کا اہتمام شان وشوکت کے ساتھ ہوتا ہے فن تقریر کے کمالات دیکھنے سننے کو ملیں گے فصاحت وبلاغت کے دریا بہائے جائیں گے اگر بھولے سے بھی کوئی حوالہ نہ آئے گا تو ان چودہ دوٹوک احکام وقوانین کا جوان خاص لمحات میں انسانیت کو عطاء ہوئے اوران خطوط کی واضح نشاندہی کی گئی جن پر مسلم معاشرہ وریاست کی عمارت استوار ہونے جارہی تھی [21]۔ یہ گویا ریاست اسلامی کا بنیادی منشور تھا جسے ہر زمانے اور ہر قسم کے حالات میں نمبر وار ذہن نشین کرانے کا فرض ملت پر عائد ہوتا تھا اب تلخ حقیقت یہ ہے کہ اس حوالے سے اس امت نے طاق نسیان کا فراخدلانہ

استعمال کیا۔ پچھلی امتوں نے احکاماتِ عشرہ Ten Commendments کو کم سے کم یاد تو رکھا اس کا چرچا آج بھی جاری ہے وہ اگر کوہ طور پر بلا کر حضرت موسیٰ کو عطا کیے گئے تھے تو یہ عرش عظیم کا تحفہ تھا۔

سارے عالم اسلام میں سفر معراج معلیٰ کا تفصیلی واقعہ یا اس کی ماہیت کے بارے میں بحث ہوتی ہے اور روئتِ باری تعالیٰ جیسے ادق موضوعات پر سارا زور بیان صرف ہوتا ہے غرض یہ کہ اس کے رومانوی پہلو اس اہتمام کے ساتھ اجاگر کیے جاتے ہیں کہ پوری رات اس بحث و تکرار میں نکال دی جاتی ہے کہ مبادا رب جلیل کے وہ احکام جو انسانیت کے نام اپنے حبیبؐ کی وساطت سے بھیجے گئے تھے کہیں اس کے بندوں تک پہنچ جائیں۔ میرا ایمان ہے کہ مخبر صادق و مصدوقؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ حق کے سوا کچھ نہیں یعنی ایک تجربہ جس سے آپ ﷺ گزرے اس کی تفصیلات وقتاً فوقتاً حسب موقع و ضرورت آپ ﷺ نے من و عن بیان فرمادیں لیکن یہ واقعات

چونکہ انسانی عقل وادراک سے ماورا ہیں یعنی متشابہات کے زمرے میں آتے ہیں اس لیے واعظین کا ایک دلفریب موضوع بن گیا جس پر طبع آزمائیوں کا ایک وسیع میدان میسر ہے۔

یہاں تک تو ہم خاکیوں نے بھی دیکھ لیا کہ

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست (+)

لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ہستی جس کی زندگی کا ہر لمحہ آدمی کی خیر خواہی کیلئے وقف ہو عرش معلیٰ کی رفعتوں میں اپنی اُمت کو بھول جائیں یا عالم دنیا کیلئے اس منبع جود وسخا کے ہاں سے خالی ہاتھ آجائیں۔ اصل میں ہمارے لیے اس بحر اکرام سے جو کچھ عطاء ہوا وہ تو ماورا ہے لیکن وہ چودہ احکام واعظین کی افسانہ طرازیوں میں ہمیشہ کیلئے گم ہوگئے جو سورۃ بنی اسرائیل

+ عاشق اور معشوق (ذات باری اور اس کے حبیبؐ) کے درمیان ایسے اسرار و رموز بھی ہیں جن سے متعلق کراماً کاتبین تک لاعلم ہیں (مولانا رومیؒ)

میں متواتر انداز میں نجومِ ہدایت بن کر دمک رہے ہیں اس سے بڑھ کر احکام الٰہی کو عامۃ المسلمین سے چھپانے یا شعرو بیان کی بھول بھلیوں میں گم کرنے کی مثال کیا دی جاسکتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرمودات قرآنی اور مخاطبین کے درمیان ارادی یا غیر ارادی طور پر حجاب کا وسیع اہتمام برسر کار ہے اور دین حق کی بنیادوں پر اس کاری ضرب کا احساس تک کہیں نظر نہیں آتا ''کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فوقیت نہیں''[22]☆ کے خوبصورت ارشاد گرامی کا تقاضا تو یہ ہوا کہ جیسے ہی عجم میں خالق حقیقی کا پیغام پہنچے تو اس کے مطالب غیر مشروط طور پر عجمیوں کی سمجھ میں آجائیں کیونکہ وہ بھی اس پیغام کے ایسے ہی مخاطب ہیں جیسا کہ ایک عربی۔ اور یہ بات خلق اللہ کے بنیادی حقوق میں شامل ہے کہ زبان کو اللہ اور بندے کے درمیان رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔

☆ حدیث شریف متفق علیہ

مگر ہزار سال سے زیادہ مدت تک سارا زور اس پر صرف ہوا کہ اللہ کے کلام اور اس کے مطالب تک اس کے بندوں کے عقل و فہم کی رسائی نہ ہونے پائے۔ البتہ انسانی زبان کیلئے یہ شرف کافی ہے کہ اس پر کلام الٰہی جاری ہوسکتا ہے اور یہی اس کی بخشش کا سبب ہوگا۔ چنانچہ تراجم قرآن پر مکمل پابندی عائد کردی گئی۔ خدا بھلا کرے ان ارواح منوّرہ کا جنہوں نے ہزار بارہ سو سال کے بعد اس کیخلاف بغاوت کی اور دنیا کی سب زبانوں میں کلام الٰہی الفاظ کی حد تک جانا جانے لگا۔

پھر کتمانِ کلام اللہ کا یہ صرف ایک پہلو ہے۔ دوسری طرف غور کریں کہ قرآن نے جس حرکت کو جس قدر ناپسند فرمایا اور اس کی مذمت میں جتنی زیادہ بلاغت سے کام لیا اس کے بارے میں مسلم معاشروں نے اسی قدر صرف نظر اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا بلکہ اس کے برعکس ایسی کئی مقبوحات (+) قبول عام سے سرفراز ہوئیں مثلاً غیبت کا دلپسند مکالمہ غصبِ وراثت‘

+ مقبوحات= حرکات قبیح یعنی نفرت انگیز

تحقیر و تنفرِ مساوات حُبِ جاہ و مال وغیرہ وغیرہ۔ یوں تو یہ انسانی کمزوریاں ہوئیں جو ناموافق حالات میں مزید پھیل سکتی ہیں لیکن کوئی مجھے یہ بتائے کہ رفتہ رفتہ مسلم معاشروں کی یہ پہچان کیوں بن گئی ہیں۔

اصل میں یہ کتمانِ حق کا ایک اور پہلو ہے انسان کی مدنی و گروہی نفسیات کا جائزہ لیجئے اس کی عادات و اطوار اور طبعی رجحانات و خصائل ان روایات و مسلّمات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے جن کے اسیر اس کے ماں باپ یا عزیز و اقارب ہوتے ہیں اسی طرح نسلیں اپنے گرد و پیش سے اثر پذیر ہوتی ہیں اب اگر ایک متمدن معاشرہ اپنا ایک ضابطہ حیات بھی رکھتا ہے تو اس کے عکس کی کم از کم کوئی جھلک معاشرت میں ضرور پائی جائے گی یہاں معاملہ اس ضابطہ حیات پر کاربندی کا نہیں جس کا مطالبہ قرآن کرتا ہے کہ ایک مثالی صورت حال ہوتی جس کی توقع ذرا کم کی جاسکتی ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ رد و قبول کی متفقہ شدت سے ہی اچھے اور

برے اعمال الگ الگ نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ اب اچھے کو متفقہ شدت کے ساتھ اچھا اور برے کو متفقہ شدت کے ساتھ برا نہ مانا جائے تو افراد کے سفلی رجحانات اپنے اظہار میں کوئی رکاوٹ نہیں رکھتے۔ اس تناظر میں ذرا دیکھئے کہ کیا حاملین قرآن نے اخلاقیات کے ضمن میں اس شدت کو ملحوظ خاطر رکھا جس کے ساتھ مثلاً غیبت کو برا سمجھا گیا[23] یا غصبِ وراثت کو حدود اللہ کو توڑنے جیسے خوفناک فعل کا نام دیا گیا[24] اگر ایسا ہوتا تو اس معاشرتی دباؤ میں یہ عادات قبیحہ مسلمانوں میں کبھی پنپ نہیں سکتی تھیں۔

رمضان کے روزوں جیسا مشکل کام جو مسلمانوں میں بڑا مقبول ہے تو حق یہ ہے کہ یہ تطہیرِ نفس سے زیادہ معاشرتی دباؤ کا نتیجہ ہے یا محض ایک رسم کی پاسبانی کا شاخسانہ۔

2- تعلیم حکمت و دانش

تعلیم حکمت و دانش ختمی رسالت کا وہ فریضہ ہے جو تمدن

کے دور جاہلیت کی اسیری سے رہائی کا اعلان کرنے اور تسخیر کائنات کی مہم کا آغاز کرنے کیلئے حضور ؐ کو سونپا گیا اور جنابؐ نے اسے کما حقہ پورا کر دکھایا۔ اسلاف صالحین قرآن حکیم کے ان تعلیمات و کنایہ جات کا ادراک رکھتے تھے جن میں مطالعہ و مشاہدات فطرت کے ساتھ ان کو زیر تصرف لانے کی تاکید بھی ملتی ہے کتاب الٰہی میں ایسے بے شمار (ایک حساب کے مطابق 756) مقامات پہچانے جا سکتے ہیں جن میں آثار و آیاتِ انفس و آفاق پر آج کی اصطلاح میں ریسرچ کی ہدایت ملتی ہے مثلاً ''ہم نے زمین پر زینت و زیبائش (کے سامان) مہیا کر دیئے ہیں تاکہ آزمائیں کہ تم کیسے احسن طریقے سے انہیں کام میں لاتے ہو (پھر ایک دن) ہم ان سب کو نیست و نابود کرنے والے ہیں [25]'' نیز یہ ''کہ ذرا دیکھو تو مخلوقات کیسے وجود میں آئیں؟ [26]'' اس کے ساتھ ہی اپنے پسندیدہ بندوں کیلئے تخلیقات ارضی و سماوی پر غور و خوض کی ترغیب فرمائی گئی [27]۔

اس سمت میں تاریخ نے صرف حضرت امام جعفرؒ کے کارنامے محفوظ رکھے ہیں جنہوں نے مختلف سائنسی میدانوں میں کئی طلباء کی تربیت فرمائی۔ علم کیمیاء اور ریاضی جو آج بھی سائنسی علوم وفنون کی بنیاد مانے جاتے ہیں، کو خصوصی توجہ کا موضوع بنایا لیکن اس وقت بدقسمتی سے ملک وقوم کا مجموعی ماحول سازگار نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے کے اندر اس میں دلچسپی کا دائرہ محدود رہا۔

دراصل حضرت امامؒ کی شخصیت آمریت کیلئے ایک مستقل خطرہ تھی اور عوام الناس اقتدار کی حاشیہ برادری کے خوگر ہو چکے تھے تاہم اتنا ضرور ہوا کہ آں جناب کے تربیت یافتہ اصحاب دانش کچھ قابل فخر کارنامے سرانجام دینے میں کامیاب ہوگئے جن کے سہارے اس زمانے میں اپنی شرمناک پسماندگی پر کھسیانے ہو کر مسلمان ''پدرم سلطان بود'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔

ان ابتدائی کامرانیوں کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ قابضین اقتدار کو بھی اپنے انداز میں علمی مشاغل کی ترغیب ہوئی لیکن شاہانہ انداز اس کے علاوہ کیا ہوسکتا تھا کہ زیر تسلط علاقوں کے علمی کارناموں کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کیلئے چند اجرتی بٹھا دو البتہ وابستگان اقتدار نے مقتدرہ میں اپنا مقام بنانے کیلئے طب و جراحت میں قابل ذکر پیش رفت بھی کی۔

مدعا یہ ہے کہ محکمات[+] کے اس پورے باب کو جس طرح نظر انداز کیا گیا اس کا نتیجہ فتوحات کا ابتدائی طوفان تھمنے پر ظاہر ہونا شروع ہوگیا تھا آج کا احوال کسی بیان کا محتاج نہیں تاہم انسان کا فطری تجسس اسے فنی و تخلیقی سرگرمیوں پر اکساتا ہے، معاشی فراغت اس پر مہمیز کا کام کرتی ہے مسلمان قوم بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہوسکتی تھی لیکن متشابہات و تاویلات کی گرم بازاریوں میں ان صلاحیتوں کا بارآور استعمال کیسے ہوتا چنانچہ ان کا رخ ایسے مشاغل کی طرف موڑ دیا گیا جو مقتدر حلقوں کی

+ محکمات : واضح اور یقینی ارشادات حقانی

تسکین و تعیش کا سامان کر سکیں۔ شعر و شاعری، فنون شیشہ گری و سنگ تراشی، تعمیرات و مواد تعمیرات میں کئی قابل ذکر کام سرانجام دیئے گئے یہ الگ بات ہے کہ ان امور کے بارے میں قرآن و حدیث میں ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ معلوم نہیں ان مکروہ کارگزاریوں کیلئے کون سی دوراز کار تاوٗیلات کا سہارا لیا گیا اسی طرح مطالعہ فطرت کے دلکش شعبے یعنی عالمِ حیوانات کیخلاف نفرت و بغض اور نصوص دین پر براہ راست وار کا پتہ مشغلہء شکار کی مقبولیت عامہ سے صاف چل جاتا ہے۔

تفکر و تدبر فی الخلق السموات و الارض کے احکامات حدود فرائض کے قریب تک جاتے ہیں [28]۔ کیا یہ اُمت موجودہ مآل کی مستحق نہیں جس نے اپنے قال و اقوال میں ان صریح واجبات کو نہ صرف پس پشت ڈالا بلکہ سائنسی ترقی میں مزاحم ہو کر اس کے بالمقابل آ گئی اس کی بنیاد یہ مفروضہ تھا کہ سائنسی علوم دین فطرت سے متصادم ہیں

جو حقیقت کے بالکل الٹ ہے۔ البتہ دین اسلام کے پرانے ایڈیشنوں یعنی شریعت موسوی میں سائنسی ترغیب کو زیادہ اہمیت نہیں تھی کہ تہذیب کا زمانہ طفولیت ٹھہرا۔ اور انسانی شعور اس بار کا متحمل نہ ہو سکتا تھا قابلِ غور بات یہ ہے کہ خرق عادت کے مطالبات کو حضورؐ نے ہر طرح سے ہر موقع پر رد کر دیا اور ان کے جواب میں آیات سماوی کا اشارہ دیکر تعقل و استدلال کو اجاگر کیا گیا جبکہ پہلے انبیاء نے اپنے پیغام میں تاثیر و تثبیت کیلئے انسانی تحیر کا سہارا لیا اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اپنے صحابہؓ میں رسالت مآب ﷺ سے بلا ارادہ یا حسب ضرورت مافوق الفطرت کا ظہور معمولات کا حصہ رہا۔

بہر کیف سائنسی علوم سے کلی صرف نظر کر کے ان کیخلاف محاذ بنا کر امت نے ہدایات الٰہیہ کا ایک پورا باب عملی طور پر منسوخ کر دیا اور یہ ایک نا قابل معافی جرم کا ارتکاب ہے۔

ملا ظاہری:

جناب والا میں اس جسارت پر خاموش نہیں رہ سکتا تعجب ہے کہ امت مرحومہ پر آیات الٰہی کی تنسیخ کا الزام عائد کرتے ہوئے نہ مدعی کی زبان لڑکھڑائی اور نہ ہی ان کا پتھر دل تھرایا حقیقت یہ ہے کہ سائنس کی مصنوعی چکا چوند سے ان کی آنکھیں چندھیا گئی ہیں انہیں کچھ نظر نہیں آتا کہ سائنس نے کیا گل کھلائے ہیں اور آج انسان حیوان کی سطح سے بھی کئی لحاظ سے گر گیا ہے سائنسی نظریات، مطالبات اسلام سے واضح تصادم کے آئینہ دار ہیں اور الحاد و زندقہ کے نقیب۔ صلحائے امت اس خطرے سے آگاہ تھے اسی لیے انہوں نے دنیائے فانی کے اسباب تعیش کو اس قابل نہ سمجھا کہ مومن کا قیمتی وقت ذکر و فکر الٰہی کی بجائے قوائے ارضی کے تصرف میں ضائع کیا جائے لہذا جن آیات قرآن کی طرف مدعی نے اشارہ کیا ہے

ان کا سیدھا مفہوم یہ سمجھئے کہ پوری کائنات اور اس کے مظاہر کو انسان کی خدمت میں مسخر کر دیا گیا ہے اور انسان کا کام صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت ہے لہذا کسی تصریف و تنسیخ کا الزام صریحاً کفر ہے۔

مجاہد رمزی:

مشکل یہ ہے کہ عمل تحریف کی جڑ ہی مطالب و مقاصد قرآنی کا مصنوعی جامہ ہے جو علم، عبادات، نیکی، بدی وغیرہ پر فٹ کر کے ان کو ایک گھڑے گھڑائے تصور میں سمیٹ لیا گیا۔ مثلاً علم کا افق ہمیشہ سے دینیات تک محدود چلا آ رہا ہے یہ تو غنیمت ہے کہ اب اہل زبان نے علم کا ترجمہ ''سائنس'' اختیار کر کے دینیات کو منجملہ دوسرے مضامین ''تربیّہ'' کی اصطلاح میں سمو دیا ہے۔

اسی طرح عبادت کے مفہوم میں ''ایکم احسن عملاً'' [29] کا امتحان درپیش ہے مگر امتحان میں داخلہ یعنی

ارکان اسلام ہی کو کامیابی کی ضمانت مان لیا گیا۔

مصطلحہ قرآنی کے اصلی مفاہیم تو بیان کرنے سے قاصر ہوں البتہ اس تذبذب کا شکار خود کو محسوس کرتا ہوں کہ ''صالحون'' سے مراد شاید ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنھوں نے فطرت کے پوشیدہ قوتوں کو دریافت کر کے ان کو اشرف المخلوقات کی خدمت میں لگا دیا۔

3- تزکیہ نفوس

متشابہات سے خوشہ چینیوں اور مطلب برآریوں کا ایک زرخیز میدان فرائض رسالت کا تکملہ یعنی عمل تزکیہ میں ڈھونڈ نکالا گیا جس طرح ہدایت کے ہر پہلو کو خاتم المرسلینؐ نے اپنی پاکیزہ سیرت سے جلا بخشی۔ ممکن نہ تھا کہ تزکیہ جیسا کار لطیف ان ضیاء افشانیوں سے محروم رہ جاتا۔ چنانچہ اصحابہ کرامؓ کے نفوس مطہرہ میں تجلیاتِ تزکیہ کا عکس صاف نظر آتا ہے اور زمانہ اقدس کی فضا اس کی عطر بیزیوں سے مہک رہی ہے۔ اشغالِ

تزکیہ کی برکات پورے ماحول کو محیط ہیں۔انفرادی و اجتماعی زندگی میں ہر قدم پر زہد وتقویٰ کا عنصر غالب ہے۔ ایسے میں انسان کے سفلی رجحانات' حرص و ہوس' حُبِ جاہ و مال' غصبِ حقوق' ظلم وتعدی' کتمان حق وغیرہ جواب دہی کے ہمہ وقت احساس میں دب کر لاغر و ناتواں رہ جاتے ہیں۔ اسی کا نام تزکیہ ہے جس کی ضیاء پاشیوں سے سارا عالمِ عرب کچھ عرصے تک بقعہء نور بنا رہا۔

لیکن جب آمریت کی نفسانفسی کا دور دورہ ہوا تو تزکیہ کا دائرہ معاشرے یا ریاست سے سمٹ کر افراد تک محدود رہ گیا۔ ان حالات میں صالح شخصیات نے جب گردو پیش ناموافق پایا اور انہیں فطری طور پر فضا کی آلودگیوں سے دامن بچانے کی فکر لاحق ہوئی تو انہوں نے امور ریاست یا قومی زندگی کے ہنگاموں سے کٹ کر اپنی ذات یا اس کے دائرہ اثر میں آنے والوں کیلئے عتابِ الٰہی سے بچنے کی تدابیر اختیار کیں۔ یہی وہ نقطہء آغاز ہے جہاں اسلام ایک دین کی حیثیت سے ہٹ کر

محض ایک مذہب کے لبادے میں آنا شروع ہوا۔

یہ حالات کا جبر تھا مگر اس طرز فکر و عمل کیلئے سیرت صحابہ میں مماثلت تلاش کرنے میں دشواری کا سامنا ہوا تو تاویلات کا سہارا لینا پڑا اور اس طرح ہوتے ہوتے تصوف کے نام سے ایک پورا مکتب فکر نمودار ہو گیا اور تزکیہ کا مطلب اجتماعی تطہیر کردار کی بجائے شخصی و نفسی تجربات تک محدود رہ گیا اگرچہ اس مکتبِ فکر کے زیر اثر کئی محترم المقام ہستیوں نے مقاصد دین کی اپنے انداز میں قابل قدر خدمت سرانجام دی مگر اس انداز فکر و عمل میں مطالبات حقانی سے انصاف نہ ہو سکا جن میں یہ اعلان عام موجود تھا کہ ''قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات علیم و خبیر کی طرف سے کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں''۔[30] اب اس اعلان کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان آیات کی چن چن کر نشاندہی کی جاتی۔ مگر اس کی بجائے کلام الٰہی کے اندر پوشیدہ اسرار و رموز کی تلاش میں سرگردانیاں تصوف کی فضیلت قرار پائی۔ پھر یہ ایک لامتناہی سلسلہ ثابت ہوا اور اس سے

متشابہات کی تأویلات وتشریحات کے دریچے کھلتے گئے۔

مجھے یہاں تصوف کے مقام و مرتبہ سے بحث نہیں لیکن متصوفین کیلئے پورے ادب واحترام کے ساتھ مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ حلقہ صوفیا کے عقائد واعمال ایک ہمہ گیر نظام حیات سے فرار اور متشابہات میں استغراق کا ایک نمونہ ہیں جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ محکمات کا منبع رشد و ہدایت روایات کی بھول بھلیوں میں کس طرح گم ہوا۔آج مساجد میں وعظ و تلقین،تدریس کے مشاغل یا خانقاہوں کی خلوت وجلوت میں صریح قرآنی احکامات اور حدود اللہ خارج از بحث سمجھے جانے لگے ہیں حالانکہ ہدایت الٰہی تو زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے اور بڑے فطری انداز میں شخصیت، خاندان' جوار' معاشرہ۔قومی اور بین الاقوامی امور کے ہر گوشے میں قندیل قرآنی سے صراط مستقیم توہمات کے اندھیروں کے اندر چمکتی ہوئی الگ نظر آتی ہے۔کارخانہ زندگی کی یہ نقشہ گری اسقدر دلنشین ہے کہ دنیائے دوں میں جنت کے نظارے ملیں

بشرطیکہ شخصی کردار ۔عائلی تعلقات ۔سماجی انضباط اور ملی معاملات میں انہی قواعد کی فرماں روائی ہو جو کتاب اللہ میں موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ان کی عملی صورت گری صاف جگمگا رہی ہے ۔اغیار نے اس مینارہ نور سے مستفید ہو کر ......راہ ارتقاء ڈھونڈ نکالی اور ہمیں مراقبہ میں گم چھوڑ کر اجسام سماوی کو فتح کرنے نکل کھڑے ہوئے ۔

اصلاح احوال میں حلقہ ہائے تصوف کی محدود کامرانیوں کے باوصف تاویلات کی غلغلہ آرائی میں بڑا حصہ ان اشتغالات کا بھی ہے جن کی نشو ونما خانقاہی فضا میں ہوئی جس سے تطہیر معاشرہ اور تربیت اخلاق عامہ کا کام پس منظر میں چلا گیا اور اس سے شہدائے علی الناس ☆ اپنے عالمی فرائض کو بھول کر خانقاہوں کے گوشہ عافیت میں قلبی سکون اور روحانی لذت کے خوگر ہو گئے ۔اس کا نتیجہ ہے کہ اخلاق حسنہ کا

☆ القرآن سورۃ بقرہ 143:02

سبق نسیان کی نذر رہوا۔ آج فرمان حبیبؐ کس کو یاد ہے کہ ''مجھے اصلاح اخلاق کی غرض سے مبعوث کیا گیا''[31][+]۔

انہی وجوہات سے منکرات نے مسلم معاشرے میں ڈیرے جما لیے کسی کو احساس تک نہ رہا کہ مسلمین کا اوّلین فریضہ تو چہاردانگ عالم میں معروفات کا چرچا اور منکرات سے اجتناب کی ترغیب تھا[32]۔ آخر خیرامت کا لقب بھی تو انہی صفات سے مشروط ہے[33]۔ اگر شرائط پوری نہ ہوں تو لقب کہاں رہا۔

ملا ظاہری:

مداخلت کیلئے معافی چاہتا ہوں جناب والا! مدعی ایک نو مسلم ہے لہذا میرے لیے لائق لحاظ۔ پھر بھی میں عدالت کبریٰ کی وساطت سے اسے مشورہ دوں گا کہ تصوف جیسے ارفع مرتبے کو اپنی زہر افشانیوں سے معاف رکھے، یہ

+ الحدیث متفق علیہ

بیچارا کیا جانے کہ تجلیات الٰہی کی کوئی جھلک اس خاکی وجود کے حصے میں نہیں آ سکتی جب تک کہ عین ذات میں استغراق نصیب نہ ہو جس کیلئے کسی مرشد کامل کے آگے زانوئے تلمذ و ارادت تہ کیے بغیر چارہ نہیں۔ رمزی نے ضرور کسی بدعقیدہ سے کچھ اسباق لے رکھے ہیں پس یہاں اولیائے عظام جیسی واجب الاحترام ہستیوں پر کیچڑ اُچھال رہے ہیں۔ استغفراللہ

مجاہد رمزی:

حضور عالی! مجھے وکیل صفائی سے کوئی گلہ نہیں کیونکہ انہوں نے ہر بات کو جانچنے کیلئے پیمانے وضع کر رکھے ہیں اور مباحث کا تبادلہ ان کے نزدیک مسلکی حوالوں کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے ایک مسلک سے منسلک کر دیا۔

بہر کیف اس سے میرے بنیادی دعوے پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اگر بعثت انبیاء یا دوسرے لفظوں میں ایک غیر منقطع ہمہ گیر سلسلہ ہدایت کا مدعا یہ تھا کہ نسل انسانی کی چند طبائع مخصوصہ عرفان ذات سے سرفراز ہو جائیں خواہ باقی اولاد آدم حیوانی جبلتوں کی آبیاری میں مگن رہے یا زیادہ سے زیادہ ان جبلتوں کے اظہار میں ذرا شائستگی سے روشناس ہو جائے......تو یقیناً تصوف کا ذوق لطیف ہی حصول مقصد میں اکتفا کرتا ہے۔ لیکن روز جزا جب امت مرحومہ سے بنی آدم کی کارستانیوں کے بارے میں جواب طلبی ہوگی تو وہاں اس نعرہء مستانہ کی جرات کون کرے گا کہ......

مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

اصل میں جائزہ اس بات کا لینا چاہیے کہ ملت اسلامیہ کے مجموعی احوال پر ان مشاغل روحانی کے کیا اثرات

مرتب ہوئے اور مزاج انسانی کی آرام طلبی اور تساہل پسندی کیلئے حیلہ جوئیوں کے کتنے دروا ہوئے پھر کلمات حقانی کی ترجمانی کیلئے اپنی پسند کے کیسے کیسے جامے تراشے گئے۔ مانا کہ متصوفین کے چند ایک حلقوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ترغیب و تاکید ملتی ہے لیکن اس امر و نہی کی حدود مسجد و خانقاہ سے باہر نہیں جاتیں۔

اب جہد للبقا (Struggle for existance) کا سخت محنت طلب پہلو کسب معاش کی سعیِ پیہم ہوئی۔ اگر اس دوڑ میں ہر قدم پر حدود اللہ کی شناخت اور فلاح خلق کا شعار شامل ہو تو منازل تزکیہ تک رسائی ممکن ہو گی اور یہی تقویٰ کا مقام ہے۔ اگر دو نمازوں کا درمیانی وقفہ نفس کی ہدایت کاری میں گزرے تو ہر چند گھنٹوں بعد بندہ اپنے مالک کے سامنے کس منہ سے آئے گا۔ دراصل پنجوقتہ نماز کا مطلب ہے اپنی کارگزاریوں کی رپورٹ۔ لغزشوں کی

معافی۔ فرمانبرداری کا عہد اور استعانت کی درخواست یہی ایمان باللہ کا حاصل ٹھہرا۔

لیکن مسند ارشاد کے لطف تکلّم سے زہد وتقویٰ کا جو نقشہ ابھرا اس کے تمام رنگ تسبیح و رکوع و سجود پر مشتمل ہیں جبکہ اطوار سماج۔ اقدار ملت اور معاملاتِ شب و روز کی کوئی جھلک اس میں نظر نہیں آتی۔ گویا تعلیمات اسلامی کا خلاصہ ہے اشغالِ ملائکہ کی مدد سے اپنے روحانی مقامات کی جستجو! تو پھر خلیفۃ اللہ کون ہے اور خلافت و وراثت زمین کا بوجھ کس کے کندھوں پر رکھا گیا؟ جواب میں اگر اولاد آدم خود کو پیش کرے تو اس کیلئے چارہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ حکمِ حاکم الحاکمین کے تحت زمین کے معاملات درست رکھنے اور کردار انسانی کی استواری میں ساری قوائے جسمانی وروحانی کو وقف کر دے اس کے علاوہ نظری وشعوری ارتقاء میں بھرپور جذبے کے ساتھ شمولیت اختیار کرے اور یہاں کے بسنے والوں کیلئے زمین و آسماں کے

پوشیدہ خزانوں کو تصرف میں لائے اور اس طرح خلافت زمین کی اہلیت کا ثبوت فراہم کرے اگر آدمی فرشتوں کے کام اپنا لے تو گویا خلافت کی ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ تصوف نے نہایت اعلیٰ نتائج بھی حاصل کیے اور اس میدان میں کچھ کارہائے نمایاں بھی سرانجام پائے جیسے حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ اور خواجہ اجمیریؒ کی خدمات عالیہ وغیرہ۔ بایں ہمہ عملی زندگی میں عمومی طور پر اس مکتب فکر سے جدوجہد سے فرار کا رجحان عام ہوا اور رہبانیت کی صریح حوصلہ شکنی کے باوصف متشابہات کی نکتہ آفرینیاں دینی حلقوں میں علمی مباحث کا موضوع ٹھہریں۔

سب سے بڑا غضب یہ ہوا کہ جوں جوں فلسفہ توحید کی گرفت ذہنوں میں ڈھیلی پڑتی گئی حقیقت ابدی کو لباسِ

مجاز میں دیکھنے کی فطری تڑپ ابھرنے لگی۔انسان کی جبینِ نیاز تو سجدہ ریزیوں کیلئے ہمیشہ سے کسی مادی دہلیز کی طلبگار رہی ہے اسی لئے لیس کمثل شئی [34]☆ کا ماورائی تصور بمشکل جذب کر پاتی ہے۔ایسے میں اگر اس لامثل و لامثال کے عکس کا جھانسا دیا جائے تو ایک متجسم ہستی کو حواس خمسہ کے دام میں لانا آسان ہو جائے گا یہی ہے ابتدائی صورت جراثیم شرک کی۔ وحدانیت کے ایقان میں ''کماھو [35]+'' کی حد سے آگے بڑھیے تو تمثیلات کے کئی دردلکش مناظر کے ساتھ کھلے ملیں گے۔ چنانچہ ''خدا نہیں پر خدا سے جدا بھی نہیں'' کے مقولے میں ''دوئی'' کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔علیٰ ھذا القیاس۔مقصد یہ ہوا کہ طائفہ متصوفین کے کمالات مسلم!

☆ القرآن۔الشوریٰ 42:11 اُس (اللہ تعالیٰ) جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔یعنی انسانی تصور کے سامنے کوئی مثال موجود نہیں جس کی مدد سے ہستیٔ باری تعالیٰ کو احاطہء خیال میں لایا جا سکے

+ اشارہ ہے کلمات ایمان کی طرف جس میں یہ شہادت موجود ہے کہ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں جیسا کہ وہ ہے گو کہ میرے ادراک سے باہر ہے۔

لیکن اساس دین کی تحریف وتعدیل میں ان کے بالواسطہ حصے سے انکار مشکل ہے۔

پھر ذرا غور کیجئے تو کشف وکرامت میں فی نفسہٖ اتباع سنت کا کوئی شائبہ نہیں ملے گا کفار کی طرف سے معجزات کا بہ اصرار مطالبہ ہمیشہ جھٹک دیا گیا اور آنحضرتؐ نے معجزات سے مشروط ایمان کی پیشکش ہر موقع پر ٹھکرا دی حالانکہ ایمان والوں کے سامنے ذاتِ اقدس ﷺ سے معجزوں کا ظہور ایک عام سی بات تھی۔ حتیٰ کی شق القمر کا عظیم الشان معجزہ بھی نہ تو کفار کے کسی مطالبے کے جواب میں ظاہر ہوا نہ ہی اسے دعوۂ نبوت کی دلیل بنایا گیا۔ محض آپ نے اپنے چند صحابہ کو اس طرف توجہ دلا کر اسرار کائنات پر غور وفکر کا سبق دیا۔ جبکہ کفار کیلئے سبق یہ ہوا کہ اب ظہور عجائب وغرائب کے نتیجے میں ایمان لانے کا زمانہ رخصت ہوا۔ اپنی کھوپڑوں میں کچھ تحریک پیدا کرو اب وہ اس قابل ہوگئی ہیں کہ نشانیوں کے مشاہدے سے

نتائج اخذ کرسکیں۔ارتقائی عمل روکنے کیلئے اُلٹے گیئر کا اہتمام کیوں کرتے ہو؟

ہدایت تتمہ (شرع اسلام) کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس سے ہر مافوق الفطرت تخیل کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اگر اس وسیع و پیچیدہ نظام کائنات میں کچھ فوق الطبیعی قوائے مئوثرہ اپنا وجود رکھتی بھی ہیں جیسے گردش سیارگان یا اقسام حجارہ وغیرہ تو نص میں ایسی کوئی تائید نہیں ملتی اس کے برعکس حضور ﷺ نے عین صدمے کی حالت میں اس شاعرانہ سے خیال کی بھی فوراً تردید فرمادی جب کسی نے آپؐ کے صاحب زادے حضرت ابراہیمؑ کو دفناتے وقت اتفاقی چاند گرہن کے پیش منظر اجسام سماوی کو شریک غم ٹھہرایا۔محض اس واقعہ میں امت کیلئے جو سبق ہے اس میں کوئی ابہام نہ ہونا چاہیے۔

الغرض تعلیمات اسلامی کے مزاج میں مابعد الطبیعات

سے لاتعلقی اور مطالعہ طبیعات کا عنصر جس قدر غالب ہے
مذہبی حلقوں کی دلچسپیوں کا معاملہ اتنا ہی اُلٹ ہوتا گیا
نجومیوں اور دست شناسوں اور جوگیوں وغیرہ کی بن آئی
اور علومِ ماہیتِ مادہ غفلت وفراموشی و بے توجہی کا شکار
ہوئے پھر یہی رجحان نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا رہا نتیجتاً آج
تحقیق وجستجو کی بجائے مسلمانوں میں اوہام کا راج ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی سے صدیوں کا بُعد رفتہ رفتہ اغیار
کے اکتشافات وایجادات کے مکمل انحصار پر منتج ہوا جس
سے حُرّیتِ فکر وضمیر کا جنازہ نکل گیا۔ آج اس میدان میں
پسماندہ مسلم ممالک جنہیں دل کے خوش رکھنے کو ''اُمہ'' کا
پر شکوہ نام دیا گیا ہے، عملی طور پر ان اقوام کی کاسہ لیسی پر
مجبور ہیں جنہیں ترقی کی یہ راہ ان کے آباؤ اجداد نے
دکھائی تھی۔

اس صورتحال کا تجزیہ کیجئے تو فیضانِ تزکیہ کے ضمن میں

محکم احکام سے ہٹ کر خود فراموشیوں کی فرضی جنت میں
پناہ کی آرزو اسباب تنزل میں نمایاں نظر آئے گی۔

باب دوئم

نظری اور عملی میدان میں
ترجیحات دین کی ترتیب معکوس

حقیقی ترجیحات دین کا استخفاف[+]

اور فروعات کی ہمہ ہمی

انسانی زندگی کوئی انفرادی حادثہ نہیں بلکہ ایک اجتماعی واقعہ ہے یعنی فرد کل کا ایک جزو ہے چنانچہ آئین فرقانی انسان کی انفرادی حیثیت کیلئے جو ضوابط مہیا کرتا ہے ان میں فرد کے ساتھ کُل کا حوالہ کبھی نظر انداز نہیں ہوتا۔ اب سفر نامہ حیات بے شمار پہلو رکھتا ہے اور لازم ہے کہ زندگی گزارنے کے مختلف طریقوں میں سے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہو۔ جب ایک مسلمان شرع مبین کو راہنمائے زندگی بنالیتا ہے تو گویا ہر پہلو اس کے نور ہدایت سے اپنے حسن و قبح کے ساتھ اجاگر پاتا ہے۔ لیکن یہاں مشکل یہ آپڑتی ہے کہ قوانین اسلامی پر عمل پیرائی "All or None Law" کے تحت ہی ممکن ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے کتاب

+ کسی کو اس کے اصلی مقام سے خفیف (ہلکا) کر کے پیش کرنا

(یعنی قرآنی احکامات) کے بعض حصوں کو اختیار اور بعض کو نظر انداز کر دینے پر انتہائی سخت گرفت فرمائی ہے [36]۔

اب ایک ایسا پروگرام جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اس میں ترجیحات (Priorities) کا اہتمام لازمی ہوگا۔ یہی حال شرع مبین کا ہے لیکن افسوس کہ جو امور جس قدر زیادہ توجہ اور عمل کے متقاضی تھے اسی قدر زمانے کی ژرف نگاہی اور دوں فہمی کا نشانہ بنے اور دوسرے ایسے امور جن کا تعلق زیادہ تر رسوم و رواج یا طبعی جذبات اور سماجی رجحانات سے ہے یہی اسلامی اقدار کے طور پر اہمیت و اولیت اختیار کر گئے اس دست برد سے اگر کچھ بچا ہے تو وہ ہیں ارکان اسلام، لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں ارکان اسلام تو دائرہ اسلام میں داخلے کی شرائط ٹھہریں اب کوئی بھی شخص محض فوجیوں کی وضع قطع۔ یونیفارم۔ پریڈ اور سلیوٹ وغیرہ سے سپاہی نہیں بن جاتا کیونکہ سپاہی کے فرائض اور کارکردگی تو ان بنیادی امور کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لہذا

ارکان اسلام یا ان کی مختلف فقہی اشکال اس بحث کے زمرے میں اگر آتے ہیں تو صرف اس حد تک کہ کارگاہ حیات کے جس میدان عمل کی راہنمائی اسلام نے کی ہے امت اس کے مدخل (Enterance) میں الجھ کر رہ گئی اور میدان اسلام اپنے شہسواروں سے عمومی طور پر خالی ہی رہا۔ کیونکہ اس میں قدم بڑھانے کیلئے جو واضح نشانات عطاء ہوئے تھے وہ پیچھے آگے سب گڈ مڈ ہوئے ۔اجازت چاہوں گا کہ چند مثالیں پیش کر کے اپنے مطلب کی وضاحت کرسکوں۔

ترجیحات معکوس کی پہلی مثال:

اسوۂ حسنہ کی تفہیم وابلاغ میں کج ادائیاں

ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کیلئے صاحب قرآن شارع اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی تفصیلات کی جستجو میں علمائے امت نے بڑی جانفشانی سے کام لیا اور سیرت مطہرہ پر

ایسا لٹریچر مہیا ہو گیا جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔لیکن افسوس کہ اس کے خوشہ چینوں نے سیرت کا جو عکس عامتہ المسلمین کے سامنے پیش کیا اس میں خطابت کی افسوں کاریوں اور طلاقت لسان کی سحر طرازیوں کے علاوہ ہدایت آموزی کا کوئی پہلو نہیں ملتا۔حتیٰ کہ ایک مکمل نقشہ ہدایت و برکت میں نزاعی نکات کی تلاش ایسی سرگرمی سے شروع ہوگئی جو بالآخر اسے مناظرہ ومناقشہ کا دل پسند موضوع بنا کر رہی۔

جب آپ نے حضور اکرم ﷺ کو باعث تخلیق کائنات مان لیا تو ایسے وجود اشرف کی حمد وثناء تو اس سمندر کی طرح ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں نہ ہی اس کی پہنائیوں کی پیمائش ممکن ہے اسی لئے ایک ذہین وفطین شخص نے بجا طور پر اپنی درماندگی کا اعلان کردیا کہ

''غالبؔ ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشیتم (+) ''

ذرا دیکھئے کہ غالب نے اپنے رنگ میں کتنی گہری حقیقت

+ میاں غالب آقاؐ کی حمد وثنا کا حق صرف باری تعالیٰ ہی ادا کریں گے لہٰذا انہی پر چھوڑ و

بیان کر دی ہے۔ بھلا جب حضرت یزداں کا کلام مجید ثنائے خواجہ ؐ میں رطب اللسان ہے تو بیچارہ انسان اُس کے حبیب ؐ کی مدح سرائی میں اپنی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف کیوں نہ کرے۔ پھر جیسے قرآن کریم اپنی کسی بات میں غیر کا محتاج نہیں اسی طرح اپنے حامل و مبلغ کی سیرت طیبہ کے بیان میں بھی خارجی تکلفات سے بے نیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر تعلیم و ہدایت کی لوحیں تھیں سب میں تغیر و تبدل ہوا لیکن اللہ اکبر! مقام مصطفیٰ ؐ کی محفوظیت و دیمومت کہ حیات مطہرہ کی لوح محفوظ کا کوئی لفظ بھی محو نہ ہو سکا کیونکہ کتاب مسطور فی رقّ منشور میں اس کا ایک ایک حرف اسی طرح نقش و ثبت ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یعنی قرآن کے بعد اگر کوئی اور ہستی لوح محفوظ ہو سکتی ہے تو وہ صرف ذاتِ اقدس و اعظم و خالد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

فرمایا شیخ الاکبر جیلانیؒ نے کہ

افلت شموس الاوّلین و شمسنا (+)

ابداً علیٰ افق البقا لا تغرب

پس اگر کوئی فانی اس وادی شوق میں قدم رکھتا ہے تو اسی حال سے دوچار ہوگا جو شیخ شیرازؒ پر گذر چکا ہے

نہ حُسنش غائتے دارد نہ سعدیؔ راسخن پایاں (++)

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ھمچناں باقی۔

لیکن اسی بحر ناپیدا کنار کی غوطہ زنی پیشوایان اسلام کا محبوب مشغلہ ٹھہری۔تاہم سرکار دوعالم ﷺ کی مدحت سرائیوں اور نعت خوانیوں کا اثر ہر مسلمان میں محسوس کیا جاسکتا ہے جو کچھ نہیں تو بھی حب رسولؐ میں سرشار ضرور ہے۔اس امت میں شامل ہونے کے بعد مجھے اگر فخر کا احساس ہوتا ہے تو صرف

+ پہلی امتوں کے سورج (روشنی پھیلا کر) غروب ہو گئے۔لیکن ہمارا مہر منیر چرخ دوام پر ہمیشہ چمکتا رہے گا۔کبھی نہ غروب ہونے کے لیے

++ نہ تو اس کے حسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدی کے بیان کا کوئی اختتام چنانچہ استسقا والا دریا پر بیٹھا پیاسا مرجائے گا اور دریا ایسے ہی بہتا رہے گا۔

ایک حقیقت پر کہ میرے تمام دینی بہن بھائی اپنے آقا ہادی برحقؐ کے نام نامی پر قربان ہونے کیلیئے ہر گھڑی تیار ملیں گے۔

لیکن ذرا غور فرمائیے کہ

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد [+]
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

کا عملی ثبوت اس صورت حال میں موجود ہے۔ اگر گفتار کی سحر بیانیاں یہ کرشمہ دکھا سکتی ہیں کہ کوئی مسلمان بھی حُبّ رسولؐ سے محروم نہ ہو تو کردار کی تشکیل و تعمیر میں گفتار کی درماندگی کا کیا جواز ہے۔

اصل یہ ہے کہ ابلاغ سیرت کے کام میں سارا زورِ کلام مدح و توصیف ہستی پر صرف ہوا حتیٰ کہ انسان فانی کیلیئے جو ایک قابلِ تقلید نمونۂ عمل خصوصی طور پر مبعوث ہوا اسے مافوق الفطرت ثابت کر کے عام آدمی کیلیئے تقلید و پیروی سے ماورا سمجھ لیا گیا۔ چنانچہ کمالات نبوت کے بیان میں اولیت معجزات

+ عشق صرف دیدار سے ہی نہیں ہوتا۔ اکثر اوقات یہ دولت ذکرِ یار سے بھی مل جاتی ہے۔

کے ذکر کو حاصل رہی۔ اور حضورؐ کے معمولات شب و روز یا ہدایاتِ کردار و عمل کبھی شاذ ہی زیر بحث آئے۔ یہ ترجیحات معکوس کی ایک روشن مثال ہے۔ حالانکہ ختم نبوت بذات خود زمانے کیلئے خط تقسیم کا درجہ رکھتی ہے جس نے پتھر والے زمانے کو پیچھے دھکیل کر بلوغت آدمیت کا اعلان کر دیا کہ آج کے بعد ردو قبول کی کسوٹی عقل و استدلال ہوگی اور ایمان لانے کیلئے ذہن انسانی کی نارسائی و بیچارگی کو محرک نہیں بنایا جائے گا یہی مفہوم معجزہ کے لفظ میں پوشیدہ ہے۔

قرآن کا آفاقی پیغام اس تضاد کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک طرف مظاہر و قوانین فطرت کو دعوت حق کی دلیل بنایا جائے اور دوسری طرف انہیں کو بے حقیقت ثابت کر کے دکھا دیا جائے۔ معجزہ قوانین فطرت کو توڑنے سے ظاہر ہوتا ہے جب کہ قرآن کا ہر لفظ انہی قوانین فطرت پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور پھر اس بنیاد پر کائنات کی تسخیر کا اشارہ فرماتا ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس اشارے کو سمجھنے کی کبھی زحمت نہ کی

گئی اور جس کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا اس نے اسی اشارے پر تسخیر کائنات کا کام اختیار کرلیا جس کی پیش رفت سے اس کام کے اصل مدعی حیران و درماندہ رہ گئے کیونکہ تسخیر کائنات کی بنیاد تو قرآنی تعلیمات نے فراہم کی تھی۔

یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا

ہم محو نالہ جرس و رسا رہے

اشارات قرآن یا کمالات سیرت میں جو باتیں ہمارے سمجھنے اور سمجھانے کی ہیں ان پر ہمارے مبلغین دین نے کبھی توجہ نہیں فرمائی۔اس بات کی تصدیق اذکار دین کی محفلوں اور خطبہ جمعہ کے مواد سے کی جاسکتی ہے واعظین محترم نان ایشوز پر حاضرین کی حس سماعت کی ضیافت فرماتے ہیں اور بعد میں عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر عربی کے کچھ کلمات اس سرعت سے دہراتے ہیں کہ کوئی لفظ سامعین کے پلے نہیں پڑتا۔

دور کیوں جایئے۔ اسی میدان عالی مقام (عرفات شریف) میں ہر سال پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع ہوتا

ہے امت مسلمہ کے اس عظیم اجتماع میں قال اللہ وقال الرسولؐ
پر تفصیلی بات کیلئے خطبہ حج سے زیادہ موزوں موقع اور کونسا
ہوسکتا ہے اس کے علاوہ احوال امت کا مجموعی جائزہ اور بین
الاقوامی سیاست و اقتدار میں امت کے مقام اور ممکنہ کردار
وغیرہ پر بھی خطبہ حج میں خوب روشنی ڈالی جاسکتی ہے لیکن عین
اسی جگہ اسی لمحے میں تاریخِ انسانی کا جامع ترین منشور چند فصیح و
جامع کلمات میں جو اولاد آدم کو عطاء ہوا تھا اس کا حوالہ کبھی آیا
ہو تو ایک استثنائی مثال ہوگی۔ حالانکہ اگر خطبہ حج کے خطیبانہ
ارشادات کا صرف تتمہ ہی خطبۃ الوداع بنا دیا جائے تو نہ صرف
ان انمول لمحات کی یاد پورے عالم انسانی میں تازہ ہوجائے
بلکہ اپنے لائحہ عمل کیلئے کم سے کم سال میں ایک مرتبہ یاددہانی کا
سبب بن جائے اس سے بڑھ کر اسلام کی حقیقی ترجیحات سے
روگردانی کی مثال اور کیا ہوگی۔ مجھے یہ بات کبھی سمجھ نہیں آئی
کہ اس منشور رسالت کو امت نے زمانہ عروج و اقتدار میں
مشعل راہ کیوں نہیں بنایا۔ اور آج فقہ کی کتابوں میں یہ بطور

پیش لفظ کیوں شامل نہیں ۔ کیا اسے تجاہل احمقانہ کہا جاسکتا ہے؟

ترجیحات معکوس کی دوسری مثال

نصاب تعلیم کی تدوین میں قرآن فراموشیاں

ترجیحات کی اس ترتیب معکوس کیلئے یوں تو مقامات آہ و فغاں بے شمار ہیں لیکن ان میں تعلیم و تربیت کا مقام سب سے اہم اور نمایاں ہے۔ زمانہ اقتدار عالمی میں جب قوانین اسلامی کی تدوین کا چیلنج پیش آیا تو امت کے چیدہ دماغ اس سے نمٹنے میں جت گئے۔ نتیجے میں قانون کی ایک مفید شاخ وجود میں آگئی جو آج بھی ماہرین قانون کیلئے چراغِ راہ کا کام دیتی ہے۔ Jurisprudence عائلی اور شخصی معاملات کو ایک ضابطے کے تحت لاکر انفرادی و اجتماعی زندگی میں خوب و ناخوب کے حدود متین کرتی ہے۔ اور اس میدان میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو دنیا بھر میں ایک مستند حوالہ مانا جاتا

ہے۔دراصل حضرت امام اعظمؒ اور ان کے شاگردوں اور ہمعصروں نے قرآن وسنت کے ماخوذ سے مذہبی مدنی وسماجی امور کے قوانین وضع کر کے تمدن کی ایک بہت بڑی ضرورت ہی پوری نہ کی بلکہ صاحبان علم وحکمت کواخذ واستنباط کی راہیں بھی سمجھائیں۔یہ تو ہے علم فقہ کا ایک روشن پہلو۔

لیکن علمی میدان کے ان صاحبان کمال کا اثر تعلیمی وتدریسی حلقوں میں کچھ ایسا غالب آ گیا کہ بذاتہ ماخوذِ قوانین یعنی قرآن وسنت کی تفہیم وتدریس ایک ثانوی حیثیت اختیار کرگئی۔یہ بات ایک معاشی تقاضے کی حدتک سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت میں محکمہ عدل وانصاف فقیہوں اور قاضیوں کے سپرد ہی ہوتا ہے۔جائز و ناجائز، حرام وحلال وغیرہ پر مستند رائے کی ضرورت عام مسلمان کو بھی ہے تاہم کیا فقہی علوم کی ترویج سے اس جامع نظام (جسے ہم نظام مصطفیٰ کا رومانی نام دیتے ہیں) کے تقاضے پورے ہوجاتے ہیں۔بس یہیں پر عمائدین امت کو ایسی ٹھوکر لگی کہ پھر عامتہ المسلمین

قرآن کے ہمہ گیر پیغام سے غافل ہو گئے۔ معاشرتی و معاشی مساوات، عدل اجتماعی اور فلاحی ریاست کا جو نقشہ اسلام اور پیغمبر اسلام نے پیش کیا تھا اس کے خدوخال مدہم ہوتے ہوئے اب تقریباً فراموش ہو چکے ہیں اس کا ثبوت آج کے کسی عالم دین سے اس باب میں استفسار کرنے پر مل جائے گا۔ البتہ حضرت اقبال لاہوریؒ نے اس پورے نظام کو چند جامع الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

کس بنا شد در جہاں محتاج کس
نکتہءِ شرعِ مُبیں ایں است و بس (+)

پھر یہاں سے فہم قرآن میں کجروی اور تحدید و تعبیر کا ایسا سلسلہ چل نکلا کہ "انتم الاعلون" کا مقام طاقِ نسیاں کی نذر ہو گیا۔ اگر ایسا ہے تو اس سے یہ مطلب نکالنے میں کیا چیز مانع ہے کہ اس مقام پر فائز ہونے کی جو شرط رکھی گئی تھی (یعنی

+ شرع مبین کے احکام وقوانین اس مفہوم پر مرتکز ہوتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کا محتاج نہ رہے۔

تمھیں برتر و غالب ہو اگر تم مومن ہو) اس پر پورا اترنے میں امت نے عجز و برأت کا اعتراف کرلیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے یہ صورت حال پہلے ہی سمجھا دی تھی جب فرمایا کہ مومن ہونے کا دعویٰ نہ کرو۔ ہاں! یہ کہ سکتے ہو کہ ہم نے مان لیا[37] کہ لا الہ الا اللہ محمد الرّسول اللہ

اس پس منظر میں ایک خاص عینک ایجاد ہوئی جس سے مطالب و مقاصدِ قرآن وسنت کو پڑھا اور سمجھا جانے لگا اس عینک کا کمال یہ ہے کہ شرع مبین کے چند مخصوص پہلو ہی سامنے لاتی ہے جبکہ

''ہیں ہزاروں اس کے پہلو رنگ ہر پہلو کا اور''

چنانچہ اس سے معروف و منکر، تحصیل علم، کسب ثواب، عقائد و اعمال اور جہاد فی سبیل اللہ کی جو تصویر سامنے آئی اس کے نقوش میں سہل انگاری تن آسانی، اغراض نفسی اور ظاہر پرستی کے رنگ غالب رہے مثلاً

1 اتباع نبوت کیلئے یہی کافی ہوا کہ ظاہری وضع قطع میں شارع ﷺ سے مماثلت اختیار کرلی جائے اور اسے ہی نیکی کا پیمانہ سمجھا جائے۔

2 معروف ومنکر سے مراد ہے ارکان اسلام کی ادائیگی اور عدم ادائیگی۔ملی وسماجی امور اس منظر میں نہیں آتے

3 تحصیل علم مساوی ہے صرف ونحو فقہ واصول کے اسباق

4 کسب ثواب کیلئے دن اور رات کے ہر لمحے میں چند مروی کلمات طیبات دہرا دینا جنت کی کنجی ہے

5 نجات اخروی کیلئے ''اچھے'' عقائد اکتفا کرتے ہیں اعمال کا درجہ ثانوی ہے

6 جہاد فی سبیل اللہ کا مطلب قتال الکافرون ہے جب بھی فتویٰ آجائے میدان جنگ میں کود جایئے خواہ اس فتوے کے پیچھے عالمی مراکز مقتدرہ کا اشارہ ہو۔اس مفہوم سے جہاد بالنفس کا تصور بالکل خارج ہے حالانکہ مفکرین

اسلام نے جہاد کے جو نو ۹ درجے نکالے ہیں قتال سب سے آخر میں آتا ہے۔

یوں تو خلافت راشدہ کے فوراً بعد ہی یہ ایجاد متعارف ہوگئی تھی البتہ اس کی صلاحیت نظارہ زمانے اور حالات کے جبر کے تحت تغیر و تبدل کی گنجائش رکھتی ہے یہ عینک سنن نبوی میں سب سے عظیم اور نمایاں سنت (جو کل یوم ھو فی شان☆ کا عکس ہے) دکھانے کے شرف سے محروم ہے چونکہ حیات طیبہ کا کوئی لمحہ بے کاری اور بے عملی میں نہیں گزرا لھذا مسلمان کسی وقت بے کار نہیں رہ سکتا۔ اور یہی اطاعت رسولؐ کا پہلا تقاضا ہے۔

اب مذکورہ بالا فہم دین کے ساتھ

- تعمیر کردار،
- اتباع خلق عظیم،

☆ سورۃ الرحمٰن 29:55 ہر دن (ہمہ وقت) وہ مصروف کار رہتا ہے یا ہر گھڑی نئی شان میں ظہور فرماتا ہے۔

- بہبود انسانیت،
- فلاح معاشرہ،
- مساوات محمدیؐ،
- ماہیتِ اشیاء میں تفتیش و تحقیق اور
- تسخیر کائنات

جیسے کام قوم کے ذہنی افق سے باہر نہ ہو جاتے یہ ممکن نہ تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آج

میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو

باقی سب تو رہنے دیجئے میں اس ماتم سے کبھی فارغ نہیں ہو سکا کہ فریضہ علم کے ساتھ اس امت نے کیا سلوک کیا پہلے تو ایک غیر مبہم ہدایت نبوی کو کلیتًا بھلا دیا یعنی ''علم حاصل کرنا ہر مسلم اور مسلمہ پر فرض ہے'' پھر لفظ علم کو ایک خاص مفہوم عطا کر کے اس کا دائرہ کار چند مضامین تک محدود کر دیا جنہیں

''علوم'' کی پرشکوہ اصطلاح سے مزین کرکے گویا حدکمال تک رسائی حاصل کرلی آج کسی ''جامعتہ العلوم'' کا معائنہ کرکے آپ کو بڑی فرحت حاصل ہوگی۔تاہم میں آج یا کل کے طلبہ واساتذہ کے مبلغ علم کے بارے میں کچھ نہ کہوں گا۔

اب چونکہ زیر بحث دلائل کا موضوع قرآنی مؤکدات سے غفلت ہے فریضہءِ حصولِ علم کے باب میں امت کا لائحہ عمل اسے ثابت کرنے کیلئے کافی ہوگا۔حضور اکرم ﷺ کی یہ دعا کہ ''اے رب مجھے ماہیت اشیاء کا علم عطا فرمایئے'' امت کو کیا پیغام دے رہی تھی یہ کبھی کسی نے سوچا کہ جب جد امجد کو ماہیت اشیاء کا علم (علم الاسماء) عطا کرکے ملائکہ پر شرف بخشا گیا☆تو یہ باعثِ شرفِ آدمیت ہمارے قومی نصاب میں سے غائب کیوں ہوگیا۔میرے لیے علم کے فضائل بیان کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی تاہم یہ ضرور عرض کروں گا کہ تخلیق کائنات کی پوری داستان علم سے شروع ہوکر علم ہی کے ساتھ ابد تک جاری رہے گی۔باری تعالیٰ نے اپنی صفات جلیلہ میں سے جس کا ذکر

☆ البقرہ2: 31 تا33 ملاحظہ ہو تخلیق آدم اور علم کی بنیاد پر شرف آدم بر ملائکہ مقربین

اپنے کلام مجید میں بہت کثرت سے کیا ہے وہ ہے ''علیم و خبیر''۔ پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ جہاں انبیاء کرام کو حق تعالیٰ کی طرف سے مخصوص دعائیں سکھائی گئیں۔ خاتم المرسلین ﷺ کو کو نسی دعا عطا ہوئی۔ ''اے رب میرے علم میں اضافہ کیجئے'' یعنی جو لا متناہی علم مجھے عطا ہوا ہے اس سے بھی بڑھ کر عطا ہو۔

اس قدر ہمہ گیر فریضے سے عہدہ برآ ہونے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ علم کے معنی خود گھڑ لیے جائیں اور مذکورہ بالا دعائے نبوی کے علاوہ ارشاد نبویؐ ''علم حاصل کرو خواہ چین سے ملے'' سے آنکھیں چرالی جائیں۔ عہد راشدہ سے متصل زمانے میں سائنسی تحقیق و ایجاد کا غلغلہ بپا بھی ہوا۔ لیکن عروجِ مسلم سے پیوستہ زوالِ اسلام کے زمانے میں کاروان تحقیق و تدبر کے ہدی خواں ہٹتے ہٹتے بالکل پیچھے ہٹ گئے اور کارواں راستے کے پیچ وخم میں بھٹک کر رہ گیا۔

عالیجاہ! معاف فرمایئے اگر میرے دلائل میں جذباتیت در آئے آخر مدعا علیہ میرا اپنا کنبہ ہے جس کی بے راہ روی کے

خلاف کیا بتاؤں کس دکھی دل سے دعویٰ دائر کیا ہے کہ شاید عدالت کی طرف سے فردجرم عائد ہونے کی صورت میں یہ امت خواب غفلت سے بیدار ہوجائے۔

ملا ظاہری:

یور ایکسلینسی !مدعی کے دلائل ابھی جاری ہیں لیکن صرف یہ کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ اس قدر زہریلی ہرزہ سرائی کے بعد مسٹر رمزی کیلئے مگر مچھ کے آنسو بہانا زیب نہیں دیتا۔

مجاہد رمزی:

علامہ اقبال کو جانے کیا سوجھی کہ ملا کا دل بھی شاید پگھل سکتا ہے پس انہوں نے سوچا کہ

چناں نالیم اندر مسجدِ شہر
کہ دل در سینہء ملا گدازیم (+)

+ آؤ کہ جامع مسجد میں جمع ہوکر ایسی آہ وبکا کریں کہ ملا کا دل بھی پگھل کر رہ جائے

اچھا ہوا جناب ملا ظاہری نے آج اس امکان کو رد کر دیا۔

ہاں تو جناب والا میں عرض کر رہا تھا کہ ترجیحات معکوس کے ذیل میں سعی و عمل کے احکامات کے ساتھ ہی ممنوعات کے ترتیب معکوس پر ایک نظر ڈالئے تو سامنے یہ آئے گا کہ مسلمان حرام و حلال کیلئے فقہ اسلامیہ کو حوالے کے طور پر تو مانتے ہیں لیکن قرآن کی پسند و ناپسند کو حلال و حرام کا معیار نہیں بناتے۔

یہ بات زمانہ حال میں سامنے کے حقائق سے واضح ہو گی۔ اظہار جاہ و حشمت اور حاکمانہ کروفر کا جو جنون مسلم ریاستوں میں نظر آتا ہے اس کی کہیں کوئی مثال غیر مسلم دنیا میں نظر نہیں آتی۔ امریکہ و برطانیہ کے حکمرانوں کی رہن سہن اگر ذہن میں ہو تو ذرا مقابلہ کیجئے۔ غریب مسلم ممالک کے حکمران طبقے سے۔ اگر رونا نہ آئے تو ہنسی ضرور آ جائے گی۔ اسی طرح معاشی اونچ نیچ کا حال ہے

اگر احکامات قرآن کے مزاج سے ذرا تعارف بھی حاصل ہوتا تو ممنوعات قرآن کو الٹا طرۂ امتیاز بنانے میں شاید کچھ حیا ہی آجاتی۔ آج ہمارے مترفین(+) کا یہ حال ہے کہ عیاشیوں کی روش میں دنیا کی کوئی قوم اس کے قریب بھی نہیں اور اگر کبھی خزانہء عامرہ تک دسترس ہوجائے تو اسراف وتبذیر میں آخری انتہا تک پہنچ کر دم لیتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ پھر کشکول اٹھا کر ان سے مانگنے نکل پڑتے ہیں جو ان کے مقابلے میں فقیرانہ زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں ذرا برطانوی وزیراعظم اور پاکستانی وزیراعظم یا صدر کی بودوباش پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ شاہی محل سے شاہانہ لباس اور شاہانہ سواری پر بیٹھ کر کوئی مزدوروں سے بھیک مانگنے لگے۔ کیا اس بے حیائی کا کوئی جواب بھی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قرآن عظیم پر ایمان کے دعوے دار ہیں؟

+ مالدار خوشحال لوگ

یہاں مثال کے طور پر اشارۃً ان مکروہ اشغال کا ذکر ہوگا جو ماحولیات معاشیات اور طبقاتی تفریق پر بے پناہ منفی اثرات رکھتے ہیں ۔ یہ اشغال ہر زمانے اور ہر مسلم معاشرے میں باعث افتخار سمجھے گئے اور آسودہ حالی کی علامت۔ جس کا بے رحمانہ اظہار پسماندہ ہمعصروں پر برتری ثابت کرنے کیلئے ضروری سمجھا گیا اور ان میں سبقت کے رجحان پر بے پناہ ذاتی اور قومی وسائل کا استعمال ہوا۔

مسلم قوم کے پسندیدہ اشغال مکروہ

(ا) تعمیرات فاخرہ

امت مرحومہ نے مالک الملک کی اس نفرت وحقارت کو کبھی قابل اعتنانہ جانا جس کا اظہار ایک مغضوب قوم کے بیان میں آخری صحیفہ آسمانی سے ہوا ''تم بیکار میں ہر دستیاب بلند جگہ پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر دیتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ ان میں

رہنا ہے [38]''۔ معمار مطلق کا یہ انتباہ مسلمانوں کے کانوں پر جوں بن کر بھی نہ رینگ سکا اس کے علی الرغم عالیشان عمارات کی تعمیر مسلم فرمانرواؤں یا مترفین کا امتیازی کارنامہ ٹھہرا۔ ممکن ہے فقہی طور پر پر اسے حرام قرار نہ دیا جا سکے۔ لیکن اس سے مسلم معاشرے کا عام رجحان مقاصد قرآن سے استغنا کی عکاسی کرتا ہے۔ اس سے خزانہ عامرہ پر جو اثرات ہوئے ان میں سب سے افسوس ناک یہ ہے کہ قوم کے وسائل مادی علمی و مدنی ارتقاء پر صرف ہونے کی بجائے ان عمارات میں دفن ہو گئے اس کے علاوہ عامتہ المسلمین کے اجتماعی رجحان میں سادگی کا عنصر نشان تحقیر بن گیا اور صفت تعیش باعث افتخار۔

(ب) اسراف و تبذیر

عمارات فاخرہ سے احتراز تو بالواسطہ لازم قرار پایا تھا لیکن اسراف تو واشگاف الفاظ میں حرام قرار دیا گیا [39]۔ اس کے باوجود مسلم سوسائٹی میں یہ قابل رشک عادات کا حصہ کیسے بن

گیا یہ سمجھنے کیلئے دیکھنا پڑے گا کہ کون سے عوامل معاشرتی رجحانات کی سمت متعین کرنے میں موثر ہوتے ہیں۔ اسلام میں سماجی روایات کی کوئی اہمیت نہیں چنانچہ اس کے ماننے والوں کیلئے اس کے علاوہ چارہ نہیں کہ اپنے اطوار و عادات کیلئے خالق حقیقی سے راہ نمائی پر انحصار کریں۔ یہ راہنمائی پیشوایان دین کے قول وفعل سے ہی حاصل ہوگی پس ثابت ہوا کہ اگر پوری قوم قرآن کے راستے سے الٹی سمت پر رواں دواں ہے تو معلمین دین متین سے کوئی بھول ہوئی ہے۔

(ج) تفریحی شکار

غنیمت ہے کہ آج جبکہ جنگلی حیات اپنی آخری سانسوں پر ہے تو کہیں کہیں سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ جانورانِ بری کا شکار بطور تفریح طبع حرام ہے۔ **انا لھم الذکریٰ** ☆۔ افسوس کہ خالق کل نے جس پیار سے چرندو پرند کے نظارے کو تفکر کی علامت بنا کر پیش کیا[40] اس پر تو کبھی غور نہ کیا اُلٹا اسی

☆ سورہ الدخان 13:44 اب یہ بات کہنے کا کیا فائدہ

پیاری مخلوق کو ہم نے بلا جواز نشانِ ستم بنالیا۔اس قبیح حرکت کی سزا اب پوری نسل انسانی کو بھگتنی پڑے گی۔

یوں تو فروعات پر مسلسل اصرار اور اقدار اصلی سے غفلت یا شعوری چشم پوشی کی داستان الم بہت طویل ہے لیکن عدالت معلیٰ کے قیمتی وقت کے پیش نظر اس باب کو بند کر کے تحریف و تصریف کے تیسرے میدان کی طرف آتا ہوں۔ جو قرآن فہمی کی راہ میں رکاوٹوں کی وجہ سے ضلالت کی ایک بڑی علت ثابت ہوا۔

تیسرا باب

اجتہاد پر قدغن

یا

قرآن کی ابدیت پر اشتباہ خفی

تحریف دین کی علت ثالثہ

آخری آسمانی صحیفے کے بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ اس کے مندرجات کا اطلاق ابد تک جاری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے ہر زمانے میں اس کو پڑھا سمجھا اور راہنمائے عمل مانا جائے گا۔ اس کے فرمودات عالیہ کے احاطے میں وہ زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام۔اب قیامت کے بارے میں ایک معقول رائے یہ ہے کہ اس وقت انسانی دماغ کا صرف دس فیصد حصہ بروئے کار آسکا ہے اور یہ بات قرین قیاس نہیں کہ شاہکارِ تخلیق کو کم سے کم آدھا جاگنے کی مہلت بھی حاصل نہ ہو۔اس حساب سے قیامت تو بہت دور کی بات ہے (ونرٰہُ قریباَ ○☆) لیکن اس دوران اکتشافات و ایجادات کا کیا عالم ہوگا۔میری قوت متخیلہ آنے والے دور کی کوئی دھندلی سی تصویر بھی دیکھنے سے عاجز ہے لیکن کلمات الٰہی تو ازلی و ابدی ہیں ۔ جبکہ انسانی شعور ارتقاء کی منازل تیزی سے طے کر رہا ہے اور وقت کے ساتھ اس میں حیران کن

☆ القرآن المعارج 70 :7 اگرچہ ہم اسے قریب دیکھتے ہیں

سرعت پذیری کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اسی تناسب سے تہذیب وتمدن بھی تغیر کی زد میں رہے گا۔

ایسے میں انسان صحیفہء آسمانی سے راہنمائی کا جتنا محتاج آج ہے پہلے کبھی نہ تھا۔ گو کہ مصحفِ آخریں مسلمانوں بلکہ انسانیت کی مشترکہ میراث ہے لیکن جن لوگوں نے اس سے یا اس کے متعلقہ علوم سے خود کو وابستہ کرر کھا ہے گویا علمائے دین متین فطری طور پر یہ بتانے کے ذمہ دار ہیں کہ انسان اپنے ہی کثیر الجہات کاوشوں کے ہاتھوں جن نفسیاتی اور معاشرتی مسائل سے دوچار ہو جاتا ہے ان سے نمٹنے کیلئے خالق کل کے پیغام سے راہنمائی کیونکر مل سکتی ہے۔یعنی جس سرعت رفتار سے کائنات کے راز ہائے سربستہ انسان پر منکشف ہورہے ہیں اسی قدر تیزی ان دستیاب قوائے فطرت کے عمل تسخیر میں بھی آ گئی ہے۔اس وقت کی صورت احوال یہ ہے کہ جتنا انکشاف و دریافت میں آگے بڑھیں اتنا ہی تحیر و تجسس کے اسیر ہوتے جایئے۔اب آدمی بحیثیت جانور کے ایک نہایت

نازک مخلوق ہے۔ وہ اپنے ہی ہاتھوں پیدا کردہ ان حالات میں ششدر ہو کر رہ گیا ہے اور نہیں سمجھ پا رہا کہ اپنی نسل کی بقاء و بہبود کیلئے کیا طرزِ عمل اختیار کرے۔ کبھی تو وہ خود کو تباہ و برباد کرنے پر تل جاتا ہے اور کبھی بقائے باہمی کی تدابیر میں بے بسی کا شکار ہو کر ایک دوسرے پر فوقیت کیلئے ہر اس کام کیلئے تیار ہو جاتا ہے جس کیلئے اس کا ضمیر اجازت نہیں دیتا۔ اس کشمکش میں اس کا خالق و مالک اسے پکار رہا ہے

"سوئے مادر آ کہ تیمارت کند +"

تا کہ اسے زمانے کی اس یلغار میں آسودہ جینے اور مرنے کے بعد آسودہ رہنے کا طریقہ سمجھائے (41)۔

لیکن اگر اس پکار کے نقیب خود محوِ خواب ہوں تو یہ آواز بنی آدم تک کیسے پہنچے۔ حاملین قرآن تو پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) میں ہی فرمودات قرآن کو حالات پر منطبق کرنے لگے تھے۔ جمہوری نظام ریاست کا جو صاف

+ اپنے اصل کی طرف لوٹ آؤ تا کہ تمہارے دکھوں کا مداوا ہو

نقشہ اَمۡرُھُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَھُمۡ اوراطاعت اولی الامر منکم [42] میں واضح تھا اس سے نظریں بچا کر غیر مشروط اطاعت امیر کا جواز نکال لیا اور ''منکم'' کا مفہوم نظر انداز کر دیا۔ جو اس اعلان عام کا اختصار تھا کہ اولی الامر وہی ہو گا جو تمہارے درمیان سے منتخب ہو کر آئے گا۔ بہانہ یہ ہوا کہ بادشاہت یا آمریت کی ممانعت کھلے الفاظ میں نہیں کی گئی۔

مانا کہ اس وقت تک انسانی عقل جمہوریت کے تصور سے خالی تھی لیکن قرآن کا انقلابی پیغام اسی خام عقل کو پختگی بخشنے کیلئے ہی تو آیا تھا اور اس کیلئے جو آنچ درکار تھی وہ کم و بیش چالیس سال تک فراہم کی گئی اس طرح معاشرت کا ایک مکمل سانچہ تیار کر کے وراثت میں چھوڑا لیکن جب اس نادر ورثے کی حفاظت میں کوتاہی ہوئی تو زمانے کی روش نے اس نئے سانچے کو اپنے ساتھ بہا لیا اور اس طرح بادشاہت کے مانوس عفریت کیلئے اپنے منحوس قدم گاڑنا آسان ہو گیا۔ پھر اس نے جمہوری قبا کا تکلف بھی روا نہ رکھا۔ ذہنوں میں جہاد فی سبیل

اللہ کا جذبہ یوں کارفرما تھا کہ ایک عام مسلمان کیلئے شاہی ہوس ملک گیری اور جہاد فی سبیل اللہ کے اغراض ومقاصد میں جو بنیادی فرق ہے اس میں تمیز مشکل ہوگئی۔ چنانچہ اول الذکر ہی جہاد فی سبیل اللہ کے ہم معنی سمجھ لیا گیا گوکہ صلحائے امت نے آشوب شاہی کے رقص ابلیس میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی لیکن جمہور نے اس سے نظریں بچا لینے میں عافیت سمجھی اور اس طرح ''تو با زمانہ بساز'' کا چلن عام ہوا۔ چنانچہ آج کے دور میں نقیبانِ دین زمانے کی یلغار سے پناہ کا اہتمام کیسے کریں گے۔

کائنات اپنے راز اور پوشیدہ قوتوں کو جس طرح انسان پر آشکارا کرنے کے ساتھ انہیں زیر تسلط لانے کی دعوت عام دیتی آئی ہے اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس دعوت کے جواب کیلئے اسی منبع ہدایت سے رجوع کیا جاتا جہاں سے یہ اشارہ ملا تھا لیکن تفہیم وتشریح قرآن کے اس ناپیدا کنار میدان میں قدم اگر بڑھے بھی تو ازمنہ اولیٰ کی لاٹھی کے سہارے۔ مستقبلیات

پر کبھی نظر نہ گئی۔ علوم دینیہ کو جب ایک نصاب کی صورت میں مدون کیا گیا تو اس میں ''اجتہاد'' بطور ایک سبجیکٹ اگر شامل کرلیا جاتا تو فکرو تدبر کے کئی راستے کھلے ملتے۔ اس ضمن میں

...... اصول تفسیر مستقبلیات کے تناظر میں

...... اجتہاد کیلئے قرآن و سنت سے استخراج و استنباط کے قواعد و حدود

...... پیش آمدہ احوال کی تطبیق بالقرآن کی بجائے حصول رشد و ہدایت کے اطوار

...... جہاں قرآن و سنت سے براہ راست کوئی اشارہ نہ ملے وہاں منشائے قرآن و سنت کی جستجو تاکہ روح ہدایت مجروح نہ ہونے پائے

اور اس طرح کے موضوعات پر مشتمل درسی مواد کی تالیف نصاب تدریس میں اس مہیب خلا کو پر کرنے میں مددگار ہوسکتی تھی جس میں آج ''طالبان'' کا فہم دین سرگشتہ و درماندہ بھٹک رہا ہے۔

قرآن تو تسخیر کائنات کی دعوت لے کر آیا تھا اب اس تسخیر کے کام میں کیسے کیسے پیچیدہ مراحل آئیں گے اور ان کا اثر انسانی تمدن پر کیا ہوگا یہ سوال تو رہا الگ مگر کیا حاملین قرآن کیلئے یہ زیبا بلکہ جائز ہے کہ وہ اس جانب اٹھے ہوئے قدم اپنے مخالف سمجھ کر ان کے بالمقابل آ جائیں۔ یہاں تک کہ خود کو پسپائی پر مجبور پائیں۔ سینماٹوگرافی اور لاؤڈ سپیکر کے ردو قبول کی مثال خاصی شرمناک ہے۔ ازمنہ وسطی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ذہن کل جب اور سیارے بھی اشرف المخلوقات کے زیرنگیں آ گئے کس ردعمل کا اظہار کرسکیں گے دین اسلام کو انہوں نے کیا تماشہ بنا دیا ہے یہ تو تحریف بھی نہیں صریح تکفیر کے حدود میں آتا ہے۔

لیکن ادھر عالم یہ ہوا کہ

واقف نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کاش ہمارے معلمین قرآن نے ابتدائے آفرینش پر ذرا توجہ دی ہوتی جہاں سے صورت حال پوری مترشح ہو رہی ہے۔ یعنی آدم کی کُنہ (genes) میں تمام سائنسی علوم سمو نے یا encode کرنے کے بعد اس انتباہ کے ساتھ زمین پر بھیجا گیا کہ جاؤ اور میرے احکامات کے منتظر رہو اور جب میری جانب سے کوئی حکم آ جائے تو رنج والم سے نجات اسی میں ہو گی کہ اس پر عمل کرو[43]۔ پھر یہ راہوار آگہی ختم نبوت تک تو مست خرامیاں کرتا رہا حتیٰ کہ پیغامات کا سلسلہ اختتام کو پہنچا جو اس اسپ تازی کیلئے مہمیز کا کام کر گیا۔ آج اس کا حال یہ ہے کہ

''نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں''

پس لازم ہوا کہ اس برق خرام کو وہی لگام ڈالی جائے جو خالق کل نے آغاز میں ہی اپنے احکام پر عمل کی صورت میں تجویز کر دی تھی[41]۔ بات صاف ہے کہ تفضیل آدم بر ملائکہ صرف

اور صرف علم الاسماء کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی اگر چہ یہی فضیلت آدمی کیلئے ایک زبردست آزمائش ثابت ہوئی کہ اپنی ذات میں پوشیدہ خزانوں کی دریافت پر احکام الٰہی کا دامن نہ کہیں چھوٹ جائے۔اس آزمائش پر پورا نہ اترنے کے نتائج ہیں جو آج ہم بھگت رہے ہیں

ابلیس:

میں بھی حاضر ہوں یہاں ضبط سخن کر نہ سکا۔ بولنے کیلئے مجھے کسی اجازت کی ضرورت نہیں کہ انك من المنظرین ☆ کے اذن عام سے سرفراز ہوں رمزی میاں کی خرافات دیر سے سن رہا ہوں۔کیا مجال جو اس نے میری خدمات کو سراہا ہو۔حالانکہ

مجھ سے بڑھ کر فطرت آدم کا وہ محرم نہیں

سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے ''پروردگار''

☆ القرآن (الاعراف 15:7) فرمایا حق تعالیٰ نے کہ تمہیں اجازت نامہ عام ہے (جو چاہو کر گزرو)

مجھے جب دھتکار دیا گیا تو میں نے پھرتی سے آدم اور اس کی نسل سے یارانہ گانٹھ لیا اور اس بندہ ءخدا نے آدمی ہے جس کا نام کبھی میری ناقدری نہ کی۔ البتہ خالق کل نے جب آدمی پر اپنی نعمت تمام کر دی اور وہ جو باعث خلقت افلاک تھا آدمی کی صورت میں نمودار ہوا تو میری ساری پھرتیاں ہوا ہو گئیں۔ خبر کیا تھی کہ وہ سجدہ جو بھاری قیمت پر آدم سے بجالایا تھا انھی کے فرزند ارجمند کے سامنے بجالانا پڑے گا۔

خیر! اس سجدے پر تو مجھے ناز ہے۔ لیکن تاؤ مجھے اس بات پر آیا کہ امتیوں میں سے جانتے ہو ایک شخص کیا بولا

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی +

کشتہ شمشیر قرآنش کنی

بس بہت ہو چکی پھر تو میں نے بدلہ لینے کا ایسا تہیہ کیا کہ آج امت کا حال سب کے سامنے ہے۔ رمزی بیچارہ تو

+ بہتر یہ ہے کہ اسے مسلمان بنالو۔ قرآن کی تلوار سے اس کی شیطینیت کو ختم کر ڈالو

معمولی باتوں پر واویلا کر رہا ہے یہ درست ہے کہ میرے
چیلوں نے میرے تراشیدہ نقوش پر ہی فہم قرآن وحدیث
کو ذہنوں میں راسخ کیا اور مطلوبہ نتائج بھی حاصل کیے
لیکن میری ذاتی توجہ کا مرکز ہمیشہ مسلمانوں کے مقتدر حلقے
رہے ۔ چنانچہ ان کی کھوپڑیوں میں ہوسِ جاہ و مال کے
جراثیم کی پرورش بنیادی کام تھا جس میں کبھی مشکل پیش نہ
آئی اور یہ تو معلوم ہے کہ الناس علی دین
ملوکھم ۔ پس ہر طرف لوٹ مار کی گرم بازاریوں کا
راج تھا۔ ایسے میں ملک وملت کے مفادات جیسے بے کار
خیالات کی جگہ منصب و اقتدار اور عیش و راحت جیسے
رومانی اشغال مقصودِ حیات ٹھہرے۔ ایسی نفسیاتی کیفیت
میں وقار وافتخار یا تذلیل وتحقیر محض واہیات الفاظ کا روپ
دھار لیتے ہیں ۔ یہی میرا کارنامہ ہے کہ آج پوری مسلم دنیا
کی ہیئت حاکمہ عالمی دست اقتدار میں بچہ جمورا کے تماشے
دکھا رہی ہے اور سامعین اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اس

ہاتھ کی رگِ جاں پنجہء یہود میں ہے۔

رمزی کس چکر میں پڑا ہے اور مقدمے کا کھڑاگ رچا کر کیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے خبر نہیں کہ ڈاکٹر اقبال نے کس قدر شور مچایا کہ زمانے کی رفتار کے پیش نظر ہر نصف صدی بعد نئے سرے سے قرآن کی تفسیر کی جانی چاہیے۔ لیکن میرے یاران ممبر و محراب سلامت رہیں ایک نہ چلنے دی۔

ملا ظاہری:

لا حول ولا قوۃ الا باللہ

☆......(سناٹے کا ایک لمحہ)......☆

مجاہد رمزی:

تعلّیوں کی ترنگ میں آج بڑے میاں رمز کشائیوں کے موڈ میں تھے اگر بولتے رہتے تو کام کی کوئی بات اپنے

ہاتھ بھی لگ جاتی۔ پر جناب ملا ظاہری نے کوڑا برسا کر انہیں بھگا دیا کہ ان کے سامنے ابلیس کیا بیچتا ہے۔

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا میرے ہوتے

ملا ظاہری:

جناب والا میں اس دشنام آمیز طنز پر سخت احتجاج کرتا ہوں۔

عدالت:

مدعی کو وارننگ دی جاتی ہے کہ طنز و تشنیع سے احتراز کرے اور اپنے دلائل جلد سے جلد مکمل کر لے۔

مجاہد رمزی:

مائی لارڈ! میری گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کا پیغام اگر ذہنوں میں کوئی تحریک پیدا نہیں کرتا کہ اس کا عکس شخصیت میں نظر آئے تو اس کا سیدھا سا مطلب یہ

ہے کہ خطاب الٰہی اور مخاطبین کے درمیان ایسے دبیز پردے حائل ہو گئے کہ خطاب کا مفہوم انسانی ادراک سے اوپر رہ گیا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ طلوع اسلام نے دو ادوار کے درمیان حد فاصل کھڑی کر دی تھی۔ دور جاہلیت سے نکل کر انسان دور علمیت میں داخل ہو گیا۔ آنے والے دور میں شعوری ارتقاء کیلئے نشان راہ قرآن نے اجاگر کر دی۔ اوہام و ابہام کی دھند چھٹنے لگی اور شاہراہ علم و تحقیق جگمگا اٹھی۔

زمانہ نزول قرآن کا جائزہ لیجئے:

انسانی عقل ظن و تخمین اور ریب و تذبذب کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے **(ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً** [44] **)** یہی وجہ ہے کہ تہذیب و تمدن شائستگی کی لطافتوں سے محروم ہے۔ حقوق انسانی، عدل و احسان،

امانت و دیانت، تحمل و برداشت، حق گوئی و حق شناسی جیسے اقدار سے آدم زاد بالکل ناآشنا ہے قرآن نے سمجھایا کہ ان سب ظلمات کی جڑ شرک کے اندر ہے اور شرک براہ راست علم کی ضد ہوا چنانچہ قرآن نے علم کی روشنی سے شرک اور جاہلیت کی تاریکیوں سے نجات کی راہ سجھائی۔ اسی شمع کے پروانے عِلم کا عَلم پوری دنیا میں بلند کرتے نکلے اور طائرِ عقل کو استدلال و استدراک کے پر عطاء کیے جن کے زور پر آج آدمی چاند سے پرے محو پرواز ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شعوری ارتقاء کے علمبردار خود مراحل ارتقاء سے کٹ کر بھٹکنے کیوں لگے۔ اس کا جواب بظاہر تو راہ خلافت و جمہوریت سے برگشتگی میں پنہاں نظر آتا ہے لیکن ذرا پیچھے نظر کیجئے تو ایک بھیانک لغزش سامنے آئے گی جہاں سے صراط ارتقاء کے مناظر آنکھوں سے اوجھل ہونے لگے۔ یہ نکتہ ذرا وضاحت طلب ہے۔

درحقیقت اسلام نے ذہن انسانی کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار تو کر دیا جس کے زیر اثر تعقل و تفکر کی استعداد بھی بلند تر ہوئی۔ تاہم ابھی اس ارتقائی عمل کے ابتدائی مراحل تھے اور فہم وادراک کی استعداد اسی سطح پر تھی اب مطالب قرآنی کا انجذاب اتنا ہی ممکن تھا جس قدر ذہنی استعداد کی یہ سطح متحمل ہوسکتی تھی۔ چنانچہ تفہیم وتوضیح قرآن کے نازک کام میں دستیاب صلاحیت فہم کا پیش نظر رہنا فطری تقاضہ تھا جو کچھ اس وقت انسانی ادراک سے باہر تھا اسے سمجھانے کیلئے اشارات پر اکتفا کرنا پڑا۔ بہرحال اس کا مقصد یہ ہرگز نہ ہوا کہ قرآن پر غور وفکر کے لیے ہر زمانے کے انسانی ذہن کو واپس اس سطح پر لانا پڑے گا جس پر صاحب قرآنؐ نے اسے چھوڑا تھا۔

ظاہر ہے کہ وسعتِ ادراک اور رفعتِ شعور عملِ ارتقا کے نمایاں پہلو ہیں۔ اسی تناسب سے عقل وفہم کی استعداد بھی بلند سے بلند تر ہوتی رہے گی اب اگر یہ استعداد تفہیمِ

مطالبِ قرآنی اور تکمیلِ مقاصدِ فرقانی میں کام نہ آئے تو گویا انسان ترقی کی دوڑ میں قرآن کی رہبری سے محروم ہوگیا۔ اب قرآن کی راہنمائی میں ارتقاء کے فطری عمل کا مطالبہ یہ ہوا کہ وقت کے ساتھ فہم قرآن کا دائرہ بھی پھیلتا جاتا کیونکہ ہر زمانے اور ہر حالت میں انسان ہدایت ربانی کامحتاج رہے گا۔ لیکن افسوس کہ معاملے کا یہ پہلو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا۔

یوں تو مذکورہ لغزش کے نتائج سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں لیکن شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی مثال مفید مطلب ہوگی اس درویش صفت اور متقی انسان نے اپنا سب کچھ اسلام کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ پوری مہذب دنیا کا طاقت ورترین حکمران خشیت ایزدی سے ہر وقت لرزہ براندام رہتا تھا۔ اور خدمت دین میں ہر لحظہ مصروف و بے چین۔ مگر اس سے امت مسلمہ کو کیا حاصل ہوا:

مصحف شریف کے چند قلمی نسخے

اور فتاویٰ کی متعدد جلدیں!!

کیا تبلیغ و تنفیذِ اسلام کیلئے مطلوب اسباب و وسائل کی کمی تھی یا قرائنِ ارتقاء سے بیگانگی کہ باشندگانِ ہند دین فطرت کی برکات سے محروم رہ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ معلومات کا پھیلاؤ الفاظ کو نئے معانی سے متعارف کرتا ہے [+]۔ اسی طرح دینی اصطلاحات بھی نئی وسعتوں کے ساتھ سامنے آتی ہیں اور ابلاغ کیلئے جدید اطوار چاہتی ہیں۔

اس تاریخی مثال سے واضح ہوجاتا ہے کہ صدیوں میں پھیلی ہوئی ان تحدید و تحریفِ دین کی دانستہ یا نادانستہ مہمات نے کیا گل کھلائے۔ کتنی بڑی ٹریجڈی ہے کہ

+ مثلاً سورہ واقعہ میں رب ذوالجلال نے مواقع النجوم کی قسم کھا کر فرمایا اگر تم سمجھتے تو اس قسم کی عظمت تم پر عیاں ہوتی۔ آج بلیک ہول Black Hole کی دریافت نے اس عظمت پر تھوڑی سی روشنی ڈالی ہے

حضرت عالمگیرؒ کا ذہن اسقدر روایات کی بندشوں میں جکڑا رہ گیا کہ ہندو جیسی تعاون آمادہ قوم پر مطلق العنان حکمرانی کے دوران انہیں کوئی منطقی و نفسیاتی سلیقہ نہ سوجھ سکا جس سے رعایا کے دل و دماغ دونوں مسخر کیئے جا سکتے تھے سب سے پہلے تو علمی و دینی حلقوں کیلئے مقامی زبانوں پر عبور لازم قرار دیا جاتا۔ پھر تقابلِ ادیان کے خصوصی ماہرین تیار کیے جاتے جو ان کے اپنے ینابیعِ[+] دھرم کے حوالوں سے بعثت خاتم المرسلینﷺ کا ثبوت نکال کر عام اپیل کا اہتمام کرتے اور یہ سب کچھ ایسی خیر خواہی کے جذبے سے ہوتا جسے مخاطبین بھی محسوس کرتے کیونکہ آدمی کی خیر خواہی ہی اس سارے معاملے کا نچوڑ ہوا۔ ساتھ ہی رفاہ عامہ کے کام ایسی دلسوزی اور خلوص کے ساتھ ہوتے کہ عام آدمی اس یقین کے ساتھ اسلام کو گلے لگا لیتا کہ اس میں اس کی دونوں جہانوں میں نجات ہے۔ اسی طرح

+ ینابیع یعنی Sources

تعلیم و تحقیق کے ادارے علم و آ گہی کی روشنی پھیلا کر پورے ایشیاء میں ظلمت و جہالت سے نجات کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ابھی اندلس کی مثال بھی تو پرانی نہیں ہوئی تھی جہاں کی یونیورسٹیوں نے پورے یورپ میں تعلیمی انقلاب بپا کر دیا تھا۔

مت کوئی یہ سمجھے کہ میں ہوائی باتیں کرر ہا ہوں۔محمد بن قاسم کی مثال سامنے ہے کیا وجہ ہے کہ گنتی کے چند مہینوں میں اس نے پورے ہندوستان میں دیوتا کا مقام حاصل کرلیا تھا حالانکہ وہ محض ایک شرارت کی سزا پر مامور تھا۔ اب اگر وہ چند برس یہاں ٹک جاتا تو بعید از قیاس نہیں کہ پورا ملک اسلام قبول کر لیتا۔ اب دونوں شخصیات کے تقابل سے صاف ہو جائے گا کہ بن قاسم غیر تحریف شدہ دین کا نمائندہ تھا اور عالمگیر دس صدی بعد اسلام کے اسی ایڈیشن کی نمائندگی کرر ہے تھے جس کیخلاف میں یہاں اس عدالت میں سینہ کوبی کرر ہا ہوں۔

اس سارے معاملے کو مجھے ایک سائنسی عمل سے واضح کرنے دیجئے۔ معلوم ہے کہ روشنی کی شعاعیں ہر ممکن اطراف میں سفر کرتی ہیں اور سات نظر آنے والے رنگوں کے علاوہ بھی کئی رنگ رکھتی ہیں لیکن یہ ممکن ہے کہ شعاعی سفر کو صرف ایک ہی جہت میں سفر کرنے پر مجبور کر دیا جائے یا اس کے رنگوں میں سے اپنی ضرورت اور پسند کا ایک یا زیادہ رنگ منتخب کر کے باقیوں کو منقطع کر دیا جائے۔ بس حضور والا آفتاب اسلام اور اس کی ہمہ گیر شعاعوں کے ساتھ یہ واردات ہوئی ہے۔ قصہ مختصر! تو پھر عالمگیر یا دوسروں کا کیا قصور کہ ان تک اس مہر منیر سے نور کے وہی رنگ اور ہمہ جہت شعاعوں کی وہی جہت پہنچی جو زمانے سے چھن کر آئی۔

میں نے کوشش کی ہے کہ بحث کا مواد مختصر ترین الفاظ میں سمیٹا جائے حالانکہ اس میں بے شمار تشریح طلب نکات بھی آ گئے ہیں جن کا محض حوالہ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مجھے اطمینان ہے کہ عدالت پر تو سب کچھ عیاں ہے البتہ مقدمے کی کارروائی پڑھنے والوں کیلئے ڈر ہے کہ یہ کنایہ و اختصار الجھن کا باعث نہ بن جائے۔

بہر کیف مذکورہ بالا دلائل کی بنا پر میری استدعا ہے کہ امت اور خصوصاً اکابرین امت پر آفاقی امانت میں دانستہ یا نیم دانستہ خیانت کا فرد جرم عائد کر دیا جائے جس کی وجہ سے آج ملت اسلامیہ اخلاقی' سیاسی اور معاشی طور پر اس حال کو پہنچ گئی ہے۔

عدالت:

وکیل صفائی اپنے دفاعی دلائل کا آغاز کریں۔

ملا ظاہری:

یور ایکسلینسی ! وکیل استغاثے کے بارے میں اس سے زیادہ کیا کہوں کہ

کلام اس کا منطق سے سلجھا ہوا
لُغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا

آج اسلام کی روشنی چہاد انگ عالم میں جس طرح پھیل رہی ہے اس سے مبلغین اسلام کی کاوشوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے دنیا کے ہر گوشے میں اللہ کا پیغام پہنچایا۔ جب کہیں قرآن حکیم کے الفاظ یا معانی میں تغیرو تبدل کی سازش ہوئی۔ پوری امت اس کیخلاف صف آرا ہوگئی اور آج فجی سے لیکر ہوائی تک کوئی خطہء زمین بھی ایسا نہیں کہ جو قرآنی تجلیات سے منور نہ ہو۔

جناب عالی! زمانے کی رفتار کے سامنے دنیا کی کوئی زبان بھی اپنی حالت چند برسوں یا ایک دو صدیوں سے زیادہ برقرار نہیں رکھ سکتی وجہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کے نئے نئے اسلوب اختیار کرنا نطقِ انسانی کا فطری تقاضہ ہے لیکن قرآن کے اسلوب بیان سے آگے

فصاحت کا کوئی تصور ممکن نہ تھا لہذا نزول قرآن کے بعد سے آج تک اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک صرف عربی ہی ایسی انسانی زبان ہے جس میں تغیر وتبدل کا شائبہ تک نہیں گویا قرآن نے اپنی حفاظت تو خود فرمائی ہی ساتھ لسان العربی کو بھی ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا۔ کیا یہ ایک کھلا ہوا معجزہ نہیں۔ ایسے میں کون ہوگا جو اس کے مطالب و معانی میں کسی ردو بدل کی مذموم کوشش کا ارتکاب کر سکے۔

اسی طرح احادیث نبوی جس محنت شاقہ اور عرق ریزی سے چھانٹ چھانٹ کر جمع کی گئیں وہ تاریخ ادب کا ایک قابل فخر باب ہے اس کارنامے کے طفیل علمی جہد و کاوش کے نئے نئے میدان سامنے آئے جیسے اسماء الرجال وغیرہ اور آج ہمارے پاس فرمودات اور اعمال رسول اللہ ﷺ کا ایک مستند ذخیرہ موجود ہے۔

رہا سوال زوال امت کا تو یہ ایک سیاسی بحث ہے اس

میں قرآن وحدیث کی تشریح وتفہیم جیسے معاملات کہاں سے آگئے اسی کو خلط مبحث کہتے ہیں اور استغاثہ کے سارے دلائل اسی پر مشتمل ہیں ہم نے نظام اسلام کے نفاذ کیلئے جدوجہد سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ جب بھی موقع آیا دنیا کے سامنے اس کا نمونہ بھی پیش کردیا۔ پھر سب نے دیکھا کہ ذریت ابلیس کیسے تڑپی حتیٰ کہ جو گھناؤنی شیطنت مصنوعی تہذیب وشائستگی کے پردے میں چھپائے دنیائے اسلام پر اپنی اخلاقی برتری کا دعویٰ تھا اس کا پردہ تار تار کرکے شرمناک بربربت کے مظاہرے پر اتر آئی۔ چنانچہ تباہی و بربادی کا جتنا کچھ سامان مہیا ہوسکتا تھا سب اسی نظام کو نیست و نابود کرنے میں جھونک دیا۔ یہ تو ابھی کل کی بات ہے۔ ہمیشہ سے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

تاہم افراد امت میں شعائر اسلامی سے غفلت کا رجحان موجود رہا ہے تو اس کے عوامل بے شمار ہو سکتے ہیں لیکن مذہبی تلقین و فہمائش سے ہم نے عوام کالانعام کو کبھی محروم نہیں رکھا۔ لہذا کسی خیانت و کوتاہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے میری استدعا ہے مجاہد رمزی کا یہ دعوی مہمل قرار دیکر خارج کر دیا جائے۔

مجاہد رمزی:

"من چہ سرائم وطنبورۂ من چہ مے سراید [+]"

عدالت:

استغاثے کے دلائل بظاہر خاصے معقول معلوم ہوتے ہیں لیکن فرمان رسولؐ کی روشنی میں اعمال چونکہ نیّات کے تحت آتے ہیں جن کا علم صرف علیم بذات الصدور کو ہے لہذا مقدمے کی کارروائی اسی کے حضور

+ میں کونسا راگ چھیڑتا ہوں اور میرا طنبورہ کیا الاپ رہا ہے

پیش کی جاتی ہے۔فیصلے کے لیے روزِ جزا کا انتظار کیا جائے۔

عدالت برخاست ہوتی ہے

فہرست حوالہ جات

حوالہ	مختصر مفہوم
1-القرآن۔البلد،10:90	ہم نے انسان پر خیر وشر کے دونوں راستے اچھی طرح واضح کردیے۔
2-القرآن۔المائدہ، 3:5	آج میں نے تمہارے لیے ضابطہءحیات مکمل کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام پسند فرمایا۔ نیز اسلام کے علاوہ کوئی اور دین شرف قبولیت نہیں پائے گا۔
3-القرآن۔البقرہ، 38:2	جب میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو بھی اس پر عمل پیرا ہوگا وہ خوف والم سے بچا رہے گا۔
4-القرآن۔البقرہ،208,168:2	شیطان کی اطاعت سے بچو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔
5-القرآن۔الفاطر، 24:35	کوئی گروہ انسانی ایسا نہیں جہاں خبردار کرنے والا (نبی) نہ بھیجا گیا ہو۔
6-القرآن۔الحجر، 9:15	ہم نے یہ قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

7-الحدیث۔	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سیرت خیرالانام کے باب میں مشہور قول کہ آپ ﷺ بنفس نفیس قرآن ناطق ہیں۔
8-القرآن۔العمران، 139:3	نیز محمدؐ، 35:47 پژمردگی، کاہلی اور غم واندوہ کو اپنے قریب مت پھٹکنے دو کیونکہ تمہیں برتر و غالب ہو بشرطیکہ تم مومن ہو۔
9-القرآن۔العمران 110:3	تم بہتر ہو ان تمام امتوں سے جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں (کیونکہ) تم بھلائی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔
10-القرآن۔البقرہ 143:2	بات یوں ہے کہ ہم نے تمہیں افضل ترین (امت وسط) بنایا۔
11-القرآن۔البقرہ، 143:2	بحثیت امت وسط تم باقی سب لوگوں پر گواہ رہو گے (اور رسول اللہ ﷺ تمہارے گواہ ونگہبان ہوں گے)
12-القرآن۔البقرہ، 129:2	یارب بھیج ان میں ایک رسول جو انہی میں سے ہو جو انہیں 1۔ تیری آیات سنائے۔ 2۔ کتاب اور حکمت و دانش کی تعلیم دے اور 3۔ (اخلاقی و بدنی طور پر) صاف ستھرا کردے یعنی ہر قسم کی کدورت سے پاک کردے۔

13-القرآن۔العمران، 164:3 پس بیشک اللہ کا احسان ہوا مسلمانوں پر جب انہی میں سے ایک رسول اٹھایا گیا جو اللہ کی آیات سناتا ہے۔ کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں ہر کدورت سے پاک وصاف کرتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ گمراہی میں بھٹک رہے تھے۔

14-القرآن۔الجمعہ، 02:62 وہ رب کریم ہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو اللہ کی آیات پڑھتا ہے انہیں سنوارتا ہے اور کتب وحکمت سکھاتا ہے۔

15-القرآن۔بنی اسرائیل، 23:17 تا 38 یہ صیغہ امر میں چودہ متواتر احکام ہیں جو ریاست وثقافت کے بنیادی ضابطے فراہم کرتے ہیں۔

16-القرآن۔المؤمنون، 1:23 تا 14 نیز الحجرات، 1:49 تا 12

مومنوں کا طرز عمل کیسا ہونا چاہیئے۔ یہ آیات کریمہ اس کردار کا نقشہ پیش فرما کر انہیں اپنانے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ یہاں عبادالرحمٰن کی سیرت وکردار پر روشنی ڈالی گئی ہے گویا جو بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے کی آرزو رکھتا ہے اسے کیسا ہونا چاہیئے۔

17-القرآن۔الحجر، 28:15تا29 ملائکہ سے میرے رب نے فرمایا کہ میں سیاہ بدبودار گارے سے بشر بنانے والا ہوں۔ پس جب اسے سنوار کر اس میں اپنی خاص روح پھونک دوں (گویا میری روح کے ساتھ وہ زندہ ہوجائے) تو اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔

18-الحدیث تمہیں اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔

19-القرآن۔النساء، 34:4 مردوں کو عورتوں پر منتظم (ایڈمنسٹریٹر) کا درجہ حاصل ہے۔

20-القرآن۔النحل، 96:16 اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (جس سے مفر کی کوئی گنجائش نہیں) کہ عدل واحسان کا رویہ اپناؤ اور رشتہ داروں کی ضروریات پوری کرو نیز یہ کہ بے حیائی، برائی اور سرکشی سے باز آ جاؤ۔ یہ ارشادات پوری توجہ کے ساتھ پلے باندھ کر رکھو

21-دیکھو حوالہ نمبر16

22-الحدیث خطبۃ الوداع کے ارشادات میں سے ایک جو متن میں موجود ہے۔

23-القرآن۔الحجرات،12:49 ایک دوسرے کے عیب نہ ڈھونڈو اور نہ ہی غیبت کرو۔ غیبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا جو تمہیں کسی حالت میں گوارا نہیں۔

24-القرآن۔النساء، 7:4 تا 14 تقسیم وراثت کی مکمل تفصیل کے ساتھ اس پر عملدرآمد کی ہدایت اور حدود اللہ سے تجاوز پر سخت تنبیہ۔

25-القرآن۔الکھف، 7:18 اور 8 متن کے اندر مفہوم بیان ہو گیا ہے۔

26-القرآن۔العنکبوت، 20:29 زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ عمل تخلیق کی ابتدا کیسے ہوئی۔

27-القرآن۔البقرہ، 164:2 عقلمند بندے زمین و آسمان کی تخلیق پر تدبر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خالق کل نے یہ سب کچھ حق اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔

28-القرآن۔النحل،2:16 تا 18 زمین و آسمان کے انتظام و انصرام میں تقریباً پندرہ نشانیاں بیان کرنے کے بعد ان پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

29-القرآن۔الملک،2:67 اللہ تعالیٰ نے موت و حیاۃ کے سلسلے میں یہ آزمائش رکھی ہے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کا

مظاہرہ کرتا ہے۔

30-القرآن۔ھود 1:11 نیز الکھف 1:18 اور بے شمار مقامات کے علاوہ ان آیات میں بھی کتاب مبین اور اس کی آیات کے بارے میں بہ تاکید اعلان ہوا ہے کہ قرآن حکیم کی آیات بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں جنہیں کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

31-الحدیث مفہوم متن کے اندر آ گیا ہے۔

32-حوالہ نمبر 9 میں دیکھئے۔

33-حوالہ نمبر 9 میں دیکھئے

34-القرآن۔الشوریٰ 11:42 اسکی ذات اقدس ہر مثال سے ماورا ہے۔اس لیے تمہارے عقل و فہم میں نہیں سما سکتی۔

35-ایمان مفصل کا کلمہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے وقت اعلان کرے کہ میں اسے مانتا ہوں ''جیسا کہ وہ ہے''۔

36-القرآن۔البقرہ، 85:2 کیا تم اللہ کے بعض احکام کو مانتے ہو اور دوسروں کا انکار کرتے ہو۔ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں خواری اور آخرت میں شدید ترین عذاب ہے۔

37-القرآن۔الحجرات، 14:49 مفہوم متن میں بیان ہو گیا ہے۔

38-القرآن۔الشعراء،128:26 تا129 کیا تم ہر بلند جگہ پر ایک نشان بناتے ہو۔
راہ گیروں پر ہنسنے کو اور شاندار محل تعمیر کرتے ہو
گویا تمہیں ہمیشہ یہاں رہنا ہے۔

39-القرآن۔ بنی اسرائیل، 26:17 تا 27 اپنے مال میں سے اقرباء کا حصہ
نکالو اسی طرح مسکین اور مسافر پر خرچ کرو۔
فضول مت اڑاؤ کہ یہ شیطانی کام ہے اور
شیطان اپنے خدا کا ناشکرا ہے۔

40-القرآن۔النحل، 6:16 نیز الملک 19:67 چوپائے جب صبح کے وقت
چراگاہوں کو جاتے ہیں اور شام کو واپس آتے
ہیں اس میں تمہاری حسِ جمال کی تسکین کا
سامان ہے۔

کیا تم نے پرندوں کو پر پھیلاتے یا سمیٹتے نہیں
دیکھا اس کی قوت ذات رحمٰن ورحیم کی بخشی ہوئی
ہی تو ہے۔

41-القرآن۔الصّف، 10:61 تا14 ان آیات میں دنیا و آخرت کی کامیابی و
کامرانی کے لیے ایک مکمل پروگرام دیا گیا ہے۔

42-القرآن۔النساء، 59:4 ایمان والو!حکم مانو اللہ اور رسولؐ اور ان کا جنہیں
تم اقتدار کے لیے منتخب کرو۔

43-القرآن۔البقرہ، 38:2 مفہوم کے لیے دیکھو متن

44-القرآن۔النجم، 28:53 یہ لوگ علم سے خالی ظن وتخمین کے پیچھے پڑے ہیں اور گمان تو یقین کے سامنے کچھ کام نہیں دیتا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم اذاں لَا اِلٰہ اِلاَّ اللہ

